ماہنامہ السنۃ، جہلم شمارہ نمبر 40

ربیع الاول ۱۴۳۳ھ، الموافق فروری 2012
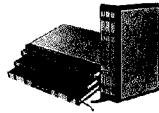
اہل سنت والجماعت کے قرآن و سنت کے موافق اتفاقی عقیدے کو ترک کرتے ہوئے بعض لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑ رکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ اس باطل اور مبالغہ آمیز عقیدے کے خلاف قرآنی و حدیثی دلائل ذکر کر رہے ہیں۔ قارئین کرام تعصب سے دور رہ کر مطالعہ فرمائیں:

قرآنی دلائل

دلیل نمبر ①: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾(آل عمران 3 : 44)

''اور (اے نبی!) آپ اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ (یہ جاننے کے لیے بطور قرعہ اندازی) قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا؟ نہ ہی آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مشہور سنّی مفسر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں: أَيْ : مَا كُنْتَ عِنْدَهُمْ يَا مُحَمَّدُ فَتُخْبِرَهُمْ عَنْهُمْ مُعَايِنَةً عَمَّا جَرٰى، بَلْ أَطْلَعَكَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ كَأَنَّكَ كُنْتَ حَاضِرًا وَّشَاهِدًا لِّمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِمْ، حِينَ اقْتَرَعُوا فِي شَأْنِ مَرْيَمَ أَيُّهُمْ يَكْفُلُهَا .

''یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ ان کے پاس نہیں تھے کہ ان کے بارے میں اس واقعے

کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بارے میں یوں اطلاع دی کہ گویا آپ مریم (علیہا السلام) کے معاملے میں ان کی قرعہ اندازی میں حاضر اور چشم دید گواہ تھے۔'' (تفسیر ابن کثیر: 42/2)

دلیل نمبر ۲ : فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلٰى مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (القصص 28 : 44)

''اور (اے نبی!) طور کے مغرب کی جانب جب کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم احکام کی وحی پہنچائی تھی، نہ تو آپ موجود تھے اور نہ آپ دیکھ رہے تھے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: أَيْ : مَا كُنْتَ حَاضِرًا لِّذٰلِكَ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَوْحَاهُ إِلَيْكَ . ''یعنی (اے نبی!) آپ اس واقعے کے پاس حاضر نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اس کی اطلاع دی ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: 240/6)

دلیل نمبر ۳ : اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (القصص 28 : 46)

''اور نہ آپ طور کی طرف تھے جب کہ ہم نے آواز دی، بلکہ (یہ خبر) آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک رحمت ہے، اس لئے کہ آپ ان لوگوں کو ہوشیار کر دیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں۔''

دلیل نمبر ۴ : فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ﴾ (القصص28 : 45)

''اور (اے نبی!) نہ آپ مدین کے رہنے والوں میں سے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے ہیں۔''

دلیل نمبر ⑤ : ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلٰى إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ (صٓ38 : 70,69)

''(اے نبی! کہہ دیجیے کہ) مجھے ان بلند قدر فرشتوں (کی بات چیت کا) کوئی علم ہی نہیں جبکہ وہ تکرار کر رہے تھے۔''

دلیل نمبر ⑥ : فرمانِ ربّ العالمین ہے :

﴿ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ﴾ (یوسف12 : 102)

''یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی بات ٹھان لی تھی اور وہ فریب کرنے لگے تھے۔''

سنّی امام ومفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

يَقُولُ : وَمَا كُنْتَ حَاضِرًا عِنْدَ إِخْوَةِ يُوسُفَ، إِذْ أَجْمَعُوا، وَاتَّفَقَتْ آرَاؤُهُمْ، وَصَحَّتْ عَزَائِمُهُمْ عَلٰى أَنْ يُلْقُوا يُوسُفَ فِي غَيَابَةِ الْجُبِّ .

''اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ (اے نبی!) آپ اس وقت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں کے پاس حاضر نہیں تھے جب انہوں نے یوسف (علیہ السلام) کو گہرے کنویں میں پھینکنے کا پورا ارادہ کر لیا تھا اور اس بارے میں ان کی آراء متفق ہو گئی تھی اور ان کے عزائم پختہ ہو گئے تھے۔''

(تفسير الطبري : 13/98)

حدیثی دلائل

دلیل نمبر ① : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ لَقِيَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ، وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْسَلَّ، فَذَهَبَ، فَاغْتَسَلَ، فَتَفَقَّدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا جَاءَهُ قَالَ: «أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟»

''وہ مدینہ منورہ کے ایک راستے میں نبی اکرم ﷺ سے ملے۔ اس وقت وہ جنابت کی حالت میں تھے، لہٰذا چپکے سے کھسک گئے اور جا کر غسل کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں تلاش کیا۔ جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ! آپ کہاں تھے؟''

(صحیح مسلم: 162/1، ح: 371)

دلیل نمبر ② : نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: أَبْطَأْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بَعْدَ الْعِشَاءِ، ثُمَّ جِئْتُ، فَقَالَ: «أَيْنَ كُنْتِ ؟»، قُلْتُ: كُنْتُ أَسْتَمِعُ قِرَاءَةَ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِكَ، لَمْ أَسْمَعْ مِثْلَ قِرَاءَتِهِ وَصَوْتِهِ مِنْ أَحَدٍ، قَالَتْ: فَقَامَ وَقُمْتُ مَعَهُ حَتّٰى اسْتَمَعَ لَهُ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ، فَقَالَ: «هٰذَا سَالِمٌ مَوْلٰى أَبِي حُذَيْفَةَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي أُمَّتِي مِثْلَ هٰذَا.

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ایک رات عشاء کے بعد دیر کر دی، پھر آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کہاں تھی؟ میں نے عرض کیا: میں آپ کے ایک صحابی کی قراءت سن رہی تھی، میں نے نہ اس کی قراءت کی طرح کوئی قراءت سنی ہے نہ اس کی آواز کی مانند کوئی آواز۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ کھڑی ہو

گئی حتی کہ آپ ﷺ نے قاری کی قراءت سنی، پھر میری طرف توجہ کی اور فرمایا: یہ ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم ہیں۔تمام تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے میری امت میں اس طرح کے لوگ پیدا کیے ہیں۔''

(سنن ابن ماجه : 1338، مسند الإمام أحمد : 165/6، مسند البزّار : 2694، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 226,225/3، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَرِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيحِ .

''اس کے راوی صحیح بخاری والے ہیں۔''(مجمع الزوائد للهيثمي : 300/9)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔

(مقدمة تفسير ابن كثير :63/1، بتحقيق عبد الرزّاق المهدي)

بوصیری کہتے ہیں: هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ، رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ .

''یہ سند صحیح ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔''(مصباح الزجاجة :534/1)

دلیل نمبر ③ : نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فَأَتَانِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَيْنَ كُنْتَ اللَّيْلَةَ، فَقَدِ الْتَمَسْتُكَ فِي مَكَانِكَ؟، فَقَالَ : أَعَلِمْتَ أَنِّي أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ اللَّيْلَةَ ؟» ''ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ! آپ کہاں تھے؟ میں نے آپ کو آپ کے گھر میں تلاش کیا تھا۔ میں نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں آج رات بیت المقدس گیا تھا؟''

(المعجم الكبير للطبراني : 283/7، ح : 7142، تهذيب الآثار للطبري : 2775، مسند

البزّار : 3484، دلائل النبوّة للبيهقي : 2/107-109، وسندهٗ حسنٌ)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

دلیل نمبر ④ : غزوۂ احد کے موقع پر رسولِ اکرم ﷺ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: أَيْنَ كُنْتَ الْيَوْمَ يَا سَعْدُ !

''سعد! آج آپ کہاں تھے؟''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : 3/26، ح : 4314، وسندهٗ حسنٌ)

قارئین کرام ! آپ ان قرآنی آیاتِ مبارکہ اور صحیح احادیثِ نبویہ پر غور کریں اور خود فیصلہ کریں کہ رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ قرآن وسنت کے موافق ہے یا مخالف؟ اللہ تعالیٰ نے خود آپ ﷺ کے مختلف مقامات پر ہونے کی نفی کی ہے، اسی طرح خود رسولِ اکرم ﷺ صحابہ کرام سے استفسار فرماتے تھے کہ «أَيْنَ كُنْتَ؟»(آپ کہاں تھے؟)، نیز صحابہ کرام بھی آپ ﷺ سے پوچھ لیتے تھے کہ أَيْنَ كُنْتَ؟ (آپ کہاں تھے؟)۔ اگر نبی اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ کو اور صحابہ کرام کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

پھر حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنے والے یہی حضرات علم غیب کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ بھلا جو کسی جگہ موجود ہو، وہاں کی بات اس کے لیے غیب کیسے ہوئی؟

علم وعقل کا کیا تقاضا ہے؟ قرآن و حدیث کس طرف رہنمائی کرتے ہیں؟ اور حق و انصاف کی پکار کیا ہے؟ فیصلہ آپ پر ہے!!! ہماری اپیل ہے کہ آپ قرآن وسنت کے خلاف اور انسانی عقل سے ماوراء عقیدۂ حاضر و ناظر کو ترک کر کے صحیح اسلامی اور سلفی عقیدے کو اختیار کر لیں تا کہ ائمہ اہل سنت کی مخالفت لازم نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو سمجھنے اور اسی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اولیاء اللہ اور صالحین کی قبروں پر پھول اور چادریں چڑھانا عجمی تہذیب پر مبنی قبیح بدعت ہے۔یہ کام رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور ائمہ سلف کی سراسر مخالفت ہے۔اگر اس عمل میں کوئی دینی منفعت و مصلحت ہوتی تو نبی اکرم ﷺ ضرور اس کی طرف رہنمائی فرماتے اور سلف صالحین ضرور اس کو اپناتے۔بدعت پسند لوگ اسے سند جواز فراہم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ان کی انتہائی کوشش ہے کہ شہر خموشاں شرک و بدعت کی آماجگاہ بن جائیں۔ان کی خاموشی کو راگ رنگ ، شور و شر اور فسق و فجور میں بدل دیا جائے۔یہ لوگ قبروں کے متعلق غلو کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، عرس میلے لگاتے ہیں ، مزامیر اور مشرکانہ اشعار سے محفل سماع سجاتے ہیں تاکہ قبروں پر لوگوں کا آنا جانا لگا رہے اور ہماری شکم پروری ہوتی رہے۔ان کو یہ معلوم نہیں کہ دین کیا ہے اور بدعت دین کو کس قدر نقصان پہنچاتی ہے؟

بدعت اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ سے پیش قدمی کا نام ہے۔سلف صالحین اس سے سخت متنفر تھے اور اس کی شدید مذمت کرتے تھے جیسا کہ شیخ الاسلام ثانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں :

اشْتَدَّ نَكِيرُ السَّلَفِ وَالْأَئِمَّةِ لَهَا، وَصَاحُوا بِأَهْلِهَا مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ، وَحَذَّرُوا فِتْنَتَهُمْ أَشَدَّ التَّحْذِيرِ، وَبَالَغُوا فِي ذٰلِكَ مَا لَمْ يُبَالِغُوا مِثْلَهُ فِي إِنْكَارِ الْفَوَاحِشِ، وَالظُّلْمِ وَالْعُدْوَانِ، إِذْ مَضَرَّةُ الْبِدَعِ وَهَدْمُهَا لِلدِّينِ وَمُنَافَاتُهَا لَهُ أَشَدُّ .

”سلف صالحین اور ائمہ دین بدعت کا سخت ترین ردّ کرتے

رہے ہیں۔ انہوں نے اہل بدعت کو زمین کے کونے کونے سے للکارا اور لوگوں کو ان کے فتنے سے بہت زیادہ ڈرایا۔ انہوں نے اس کی اتنی زیادہ مخالفت کی کہ اتنی مخالفت فحاشی اور ظلم و زیادتی جیسے گناہوں کی بھی نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بدعت کی مضرت اور اس سے دین کو نقصان باقی گناہوں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔'' (مدارج السالكين لابن القيّم :372/1)

بدعتی لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ بدعت کے ثبوت پر شرعی دلائل سے عاجز و درماندہ ہو جاتے ہیں تو بعض عمومی نصوص سے اس کا ثبوت تراشنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑی خرابی اور تحریفِ دین ہے۔ اگر قرآن و سنت کی نصوص کا یہی مطلب و مفہوم ہوتا جو آج کے بدعتی لوگ لے رہے ہیں تو یہی مفہوم سب سے پہلے ہمارے اسلاف، یعنی صحابہ و تابعین کی سمجھ میں آتا جیسا کہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ (م: 790ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَدْرَكُوا هٰذِهِ الْمَدَارِكَ، وَعَبَرُوا عَلٰى هٰذِهِ الْمَسَالِكِ؛ إِمَّا أَنْ يَكُونُوا قَدْ أَدْرَكُوا مِنْ فَهْمِ الشَّرِيعَةِ مَا لَمْ يَفْهَمْهُ الْأَوَّلُونَ، أَوْ حَادُوا عَنْ فَهْمِهَا، وَهٰذَا الْأَخِيرُ هُوَ الصَّوَابُ، إِذِ الْمُتَقَدِّمُونَ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ هُمْ كَانُوا عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ، وَلَمْ يَفْهَمُوا مِنَ الْأَدِلَّةِ الْمَذْكُورَةِ وَمَا أَشْبَهَهَا إِلَّا مَا كَانُوا عَلَيْهِ، وَهٰذِهِ الْمُحْدَثَاتُ لَمْ تَكُنْ فِيهِمْ، وَلَا عَمِلُوا بِهَا، فَدَلَّ عَلٰى أَنَّ تِلْكَ الْأَدِلَّةَ لَمْ تَتَضَمَّنْ هٰذِهِ الْمَعَانِيَ الْمُخْتَرَعَةَ بِحَالٍ، وَصَارَ عَمَلُهُمْ بِخِلَافِ ذٰلِكَ دَلِيلًا إِجْمَاعِيًّا عَلٰى أَنَّ هَؤُلَاءِ فِي اسْتِدْلَالَاتِهِمْ وَعَمَلِهِمْ مُخْطِئُونَ وَمُخَالِفُونَ لِلسُّنَّةِ، فَيُقَالُ لِمَنِ اسْتَدَلَّ بِأَمْثَالِ ذٰلِكَ: هَلْ وُجِدَ هٰذَا الْمَعْنَى الَّذِي اسْتَنْبَطْتَ فِي عَمَلِ الْأَوَّلِينَ أَوْ لَمْ يُوجَدْ؟ فَإِنْ زَعَمَ أَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ - وَلَا بُدَّ مِنْ ذٰلِكَ - فَيُقَالُ لَهُ: أَفَكَانُوا غَافِلِينَ عَمَّا تَنَبَّهْتَ لَهُ

أَوْ جَاهِلِينَ بِهِ، أَمْ لَا ؟ وَلَا يَسَعُهُ أَنْ يَقُولَ بِهَذَا، لِأَنَّهُ فَتْحٌ لِبَابِ الْفَضِيحَةِ عَلٰى نَفْسِهِ، وَخَرْقٌ لِلْإِجْمَاعِ، وَإِنْ قَالَ : إِنَّهُمْ كَانُوا عَارِفِينَ بِمَآخِذِ هٰذِهِ الْأَدِلَّةِ، كَمَا كَانُوا عَارِفِينَ بِمَآخِذِ غَيْرِهَا، قِيلَ لَهُ : فَمَا الَّذِي حَالَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْعَمَلِ بِمُقْتَضَاهَا عَلٰى زَعْمِكَ حَتّٰى خَالَفُوهَا إِلٰى غَيْرِهَا ؟ مَا ذَاكَ إِلَّا لِأَنَّهُمْ اجْتَمَعُوا فِيهَا عَلَى الْخَطَأِ دُونَكَ أَيُّهَا الْمُتَقَوِّلُ، وَالْبُرْهَانُ الشَّرْعِيُّ وَالْعَادِيُّ دَالٌّ عَلٰى عَكْسِ الْقَضِيَّةِ، فَكُلُّ مَا جَاءَ مُخَالِفًا لِّمَا عَلَيْهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ، فَهُوَ الضَّلَالُ بِعَيْنِهِ .

''جن لوگوں نے (قرآن وسنت کی نصوص کے بدعت پر مبنی) یہ مفہوم سمجھے ہیں اور ان (بدعتی) مسالک کو اپنایا ہے، انہوں نے یا تو شریعت کا ایسا فہم حاصل کر لیا ہے جو سلف صالحین کو حاصل نہیں ہوا یا پھر ان کو سمجھنے میں انہیں غلطی لگ گئی ہے۔ دوسری بات ہی درست ہے کیونکہ سلف صالحین صراطِ مستقیم پر گامزن تھے۔ انہوں نے ان بدعتی لوگوں کے ذکر کردہ دلائل سے وہی سمجھا جس پر وہ عمل کرتے رہے۔ یہ بدعات ان میں موجود نہ تھیں، نہ انہوں نے ان پر عمل کیا۔ اس سے معلوم ہوا ان نصوص کے یہ معنیٰ (جو بدعتی لوگوں نے بدعت کی تقویت کے لیے کیے ہیں) کسی صورت درست نہیں ہو سکتے بلکہ سلف صالحین کا ان بدعات کے خلاف عمل کرنا اس بات کی اجماعی دلیل ہے کہ یہ بدعتی لوگ اپنے استدلال وعمل میں غلطی پر ہیں اور سنت کی مخالفت کر رہے ہیں۔ پھر جو لوگ ایسے استدلال کرتے ہیں، ان سے پوچھا جائے کہ جس معنیٰ کا تم نے استنباط کیا ہے، وہ سلف صالحین کے عمل میں ملتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ نہیں اور انہیں یہی کہنا پڑے گا، تو پھر ان سے پوچھا جائے کہ کیا سلف صالحین ان معانی سے غافل یا جاہل تھے جن کا تمہیں علم ہوا ہے؟ وہ کسی صورت بھی ہاں میں جواب نہیں دے سکتے کیونکہ ایسا کہنے سے وہ خود رسوا ہو جائیں گے اور اجماع کا مخالف قرار

پائیں گے۔ اور اگر وہ کہیں کہ سلف صالحین ان نصوص کے معانی بھی اسی طرح جانتے تھے جس طرح دوسری نصوص کے معانی سے واقف تھے، تو انہیں جواب دیا جائے کہ پھر تمہارے خیال میں سلف صالحین کو ان معانی کے مطابق عمل کرنے میں کون سی چیز رکاوٹ بنی کہ انہوں نے یہ کام چھوڑ کر ان کے خلاف کیا؟ جھوٹو! (تمہارے گھٹیا ذہن میں) ایک ہی بات آ سکتی ہے کہ سارے کے سارے اسلاف (اس بارے میں) غلطی پر جمع ہو گئے تھے۔ لیکن شرعی و فطری دلائل تمہارے اس گھٹیا خیال کی مخالفت کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو کام بھی سلف صالحین کے طریقہ کار کے خلاف ہو، وہ یقینی طور پر گمراہی ہوتا ہے۔''

(الموافقات للشاطبي : 73/3)

یعنی ہر بدعتی سلف صالحین کا مخالف ہوتا ہے، ان کے متعلق سوءِ ظن کا شکار ہوتا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ (نعوذ باللہ!) جو بات قرآن و حدیث سے ائمہ محدثین اور سلف صالحین نہ سمجھ سکے، وہ اس نے سمجھ لی ہے اور اس کا علم و ورع ان سے فائق ہو گیا ہے یا وہ ان دلائل سے ناواقف تھے جن سے وہ واقف ہو گیا ہے، وغیرہ۔

بدعت کی تقسیم : اگر بدعتی لوگوں سے اور کچھ نہ بن پڑے تو اپنی بدعت کو بدعت حسنہ کا نام دے دیتے ہیں، حالانکہ بدعت ہے ہی ضلالت اور ضلالت میں حسن کہاں سے آ گیا؟ اگر وہ اچھی تھی تو سلف صالحین اس اچھے کام سے کیوں محروم رہے؟ جہاں تک بدعت کی تقسیم کا تعلق ہے تو یہ تقسیم بذات خود بدعت ہے۔ بدعت کی حسنہ اور سیئہ میں تقسیم صحیح نہیں۔ علامہ شاطبی رحمہ اللہ (م : 790ھ) فرماتے ہیں :

إِنَّ هٰذَا التَّقْسِيمَ أَمْرٌ مُخْتَرَعٌ، لَا يَدُلُّ عَلَيْهِ دَلِيلٌ شَرْعِيٌّ، بَلْ هُوَ فِي نَفْسِهِ مُتَدَافِعٌ، لِأَنَّ مِنْ حَقِيقَةِ الْبِدْعَةِ أَنْ لَّا يَدُلَّ عَلَيْهَا دَلِيلٌ شَرْعِيٌّ، لَا مِنْ نُصُوصِ الشَّرْعِ، وَلَا مِنْ قَوَاعِدِهِ، إِذْ لَوْ كَانَ هُنَالِكَ مَا يَدُلُّ مِنَ الشَّرْعِ

عَلٰى وُجُوبٍ أَوْ نُدْبٍ أَوْ إِبَاحَةٍ لَمَا كَانَ ثَمَّ بِدْعَةٌ، وَلَكَانَ الْعَمَلُ دَاخِلًا فِي عُمُومِ الْأَعْمَالِ الْمَأْمُورِ بِهَا، أَوِ الْمُخَيَّرِ فِيهَا، فَالْجَمْعُ بَيْنَ كَوْنِ تِلْكَ الْأَشْيَاءِ بِدَعًا، وَبَيْنَ كَوْنِ الْأَدِلَّةِ تَدُلُّ عَلٰى وُجُوبِهَا أَوْ نُدْبِهَا أَوْ إِبَاحَتِهَا، جَمْعٌ بَيْنَ مُتَنَافِيَيْنِ .

''(بدعت کی) یہ تقسیم (خود) بدعت ہے۔اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں۔ یہ تو فی نفسہٖ بھی غلط ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں کوئی دلیل شرعی نہیں ہوتی ، نہ نصوصِ شرعیہ میں سے نہ قواعدِ شرعیہ میں سے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی دلیل شرعی اس کے وجوب یا استحباب یا جواز پر دلالت کرتی ہوتو پھر وہ بدعت رہتی ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا تو اس کاموں میں داخل ہو جاتا ہے جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا جن کو کرنے میں اختیار دیا گیا ہوتا ہے۔ان کاموں کو بدعت کہنا اور پھر ان کے وجوب ، استحباب یا جواز پر دلائل کی موجودگی کا دعویٰ کرنا دو منافی امور کی جمع ہے۔''
(الاعتصام للشاطبي :1/192,191)

اس صراحت سے معلوم ہوا کہ جو کام صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے دور میں نہیں ہوا ، اسے بدعتِ حسنہ قرار دے کر سند جواز دینا نری گمراہی ہے۔موجودہ دور میں بعض لوگوں نے بہت سے ایسے امور کو دین کا درجہ دے رکھا ہے جن کا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے دور میں نام و نشان تک نہ تھا۔انہی میں سے ایک کام قبروں پر پھول اور چادریں وغیرہ چڑھانے کا ہے۔

امام بریلویت احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب (1324-1391ھ) لکھتے ہیں :

''قبروں پر پھول ڈالنا ، چادریں چڑھانا ، چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مؤمن کی قبر پر جائز ہے،خواہ وہ ولی اللہ ہو یا گناہگار ، اور چادریں ڈالنا اولیاء ، علماء ، صلحاء کی قبور پر جائز ہے،عوام مسلمین کی قبور پر ناجائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے۔''
(«جاء الحق» از نعیمی :1/269)

نعیمی صاحب کی ''علمائے اہل سنت'' سے مراد نام نہاد اہل سنت ، یعنی بدعتی و بریلوی ہوں تو درست ہے ، ورنہ علمائے اہل سنت میں سے کوئی بھی قبروں پر پھول اور چادریں چڑھانے کا قائل و فاعل نہیں۔ جو کام نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھا، صحابہ کرام جس سے ناواقف تھے اور ائمہ سلف کو جس کا علم تک نہ ہوا ، وہ نیکی کیسے بن گیا اور اسے سند جواز کیسے مل گئی؟

قبروں پر پھول چڑھانا عیسائیوں کا وطیرہ ہے۔ چادریں چڑھانا صالحین کی تعظیم میں غلو ہے جس کی شریعت میں مذمت وممانعت موجود ہے۔ اگر عوامِ مسلمین کی قبروں پر چادریں چڑھانا اس لیے ناجائز ہے کہ وہ ''بے فائدہ'' ہے تو صلحاء کی قبروں پر چادریں چڑھانے کا کیا فائدہ ہے؟ اگر اس کا کوئی شرعی جواز یا فائدہ ہوتا تو اللہ اور اس کا رسول اس کی ضرور تعلیم دے دیتے اور ائمہ سلف اسے ضرور اپناتے۔ یہ تو محض قبر پرستوں کی ایک روش ہے کیونکہ اس کی زندگی مردوں اور قبروں سے وابستہ ہے۔

قبروں پر چادریں اور علمائے حق

ان بدعات کی مذمت میں علمائے حق کے اقوال ملاحظہ فرمائیں :

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں :

وَمِنَ الْمُحَرَّمَاتِ : الْعُكُوفُ عِنْدَ الْقَبْرِ ، وَالْمُجَاوَرَةُ عِنْدَهُ، وَسَدَانَتُهُ، وَتَعْلِيقُ السُّتُورِ عَلَيْهِ، كَأَنَّهُ بَيْتُ اللّٰهِ الْكَعْبَةُ . ''کچھ حرام کام یہ ہیں: قبر پر اعتکاف کرنا ، اس کے پاس مجاور بن کر بیٹھنا، اس کی خدمت، اس پر یوں پردے لٹکانا کہ گویا وہ اللہ کا گھر کعبہ ہو۔'' (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية، ص : 267)

نیز فرماتے ہیں : وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّعَلِّقُ عَلَى الْقَبْرِ الْمَكْذُوبِ أَوْ غَيْرِ الْمَكْذُوبِ، مِنَ السُّتُورِ وَالثِّيَابِ، وَيَضَعُ عِنْدَهُ مِنْ مَّصُوغِ الذَّهَبِ

وَالْفِضَّةِ، مَا قَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰی أَنَّہٗ لَیْسَ مِنْ دِینِ الْإِسْلَامِ.

''بعض لوگ ایسے ہیں جو جعلی یا اصلی قبر پر پردے اور کپڑے لٹکاتے ہیں اور اس کے پاس سونے یا چاندی کے زیورات رکھتے ہیں۔مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ ان چیزوں کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔''(اقتضاء الصراط المستقیم، ص : 384)

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں: وَقَدِ اتَّفَقَ أَئِمَّةُ الدِّینِ عَلٰی أَنَّہٗ لَا یُشْرَعُ بِنَاءُ الْمَسَاجِدِ عَلَی الْقُبُورِ، وَلَا أَنْ تُعَلَّقَ عَلَیْھَا السُّتُورُ.

''ائمہ دین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اور ان پر پردے لٹکانا جائز نہیں۔''(جامع الرسائل لابن تیمیة :54/1)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وَمِنْھَا مُشَابَھَةُ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ بِمَا یُفْعَلُ عِنْدَھَا، مِنَ الْعُکُوفِ عَلَیْھَا، وَالْمُجَاوَرَةِ عِنْدَھَا، وَتَعْلِیقِ السُّتُورِ عَلَیْھَا وَسَدَانَتِھَا، وَعُبَّادُھَا یُرَجِّحُونَ الْمُجَاوَرَةَ عِنْدَھَا عَلَی الْمُجَاوَرَةِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَیَرَوْنَ سَدَانَتَھَا أَفْضَلَ مِنْ خِدْمَةِ الْمَسَاجِدِ. ''قبروں پر ہونے والی خرافات میں سے یہ بھی ہے کہ قبروں کے پاس وہ کام کیے جائیں جو بت پرستی سے مشابہ ہیں، مثلاً ان پر اعتکاف کرنا، ان کے پاس مجاور بن کر بیٹھنا، ان پر پردے لٹکانا، ان کی خدمت کے لیے وقف ہونا وغیرہ۔قبر پرست لوگ قبروں کی مجاوری کو بیت اللہ کی مجاوری پر بھی ترجیح دیتے ہیں اور ان کا یہ نظریہ ہے کہ قبروں کی خدمت بیت اللہ کی خدمت سے بھی افضل ہے۔''

(إغاثة اللھفان لابن القیم :197/1)

یہی بات علامہ برکوی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''زیارۃ القبور'' میں (ص:21) پر لکھی ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (1172-1250ھ) قبر پرستی کے بارے میں لکھتے ہیں:

فَلَاشَكَّ وَلَا رَيْبَ أَنَّ السَّبَبَ الْأَعْظَمَ الَّذِي نَشَأَ مِنْهُ هٰذَا الِاعْتِقَادُ فِي الْأَمْوَاتِ هُوَ مَا زَيَّنَهُ الشَّيْطَانُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّفْعِ الْقُبُورِ، وَوَضْعِ السُّتُورِ عَلَيْهَا، وَتَجْصِيصِهَا وَتَزْيِينِهَا بِأَبْلَغِ زِينَةٍ، وَتَحْسِينِهَا بِأَكْمَلِ تَحْسِينٍ، فَإِنَّ الْجَاهِلَ إِذَا وَقَعَتْ عَيْنُهُ عَلٰى قَبْرٍ مِّنَ الْقُبُورِ قَد بُنِيَتْ عَلَيْهِ قُبَّةٌ فَدَخَلَهَا، وَنَظَرَ عَلَى الْقُبُورِ السُّتُورَ الرَّائِعَةَ، وَالسُّرُجَ الْمُتَلَأْلِئَةَ، وَقَدْ سَطَعَتْ حَوْلَهُ مَجَامِرُ الطِّيبِ، فَلَا شَكَّ وَلَا رَيْبَ أَنَّهُ يَمْتَلِئُ قَلْبُهُ تَعْظِيمًا لِّذٰلِكَ الْقَبْرِ، وَيَضِيقُ ذِهْنُهُ عَنْ تَصَوُّرِ مَا لِهٰذَا الْمَيِّتِ مِنَ الْمَنْزِلَةِ، وَيَدْخُلُهُ مِنَ الرَّوْعَةِ وَالْمَهَابَةِ مَا يَزْرَعُ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْعَقَائِدِ الشَّيْطَانِيَّةِ الَّتِي هِيَ مِنْ أَعْظَمِ مَكَائِدِ الشَّيْطَانِ لِلْمُسْلِمِينَ، وَأَشَدِّ وَسَائِلِهِ إِلٰى ضَلَالِ الْعِبَادِ مَا يُزَلْزِلُهُ عَنِ الْإِسْلَامِ قَلِيلًا قَلِيلًا ، حَتّٰى يَطْلُبَ مِنْ صَاحِبِ ذٰلِكَ الْقَبْرِ مَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ إِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ، فَيَصِيرُ فِي عِدَادِ الْمُشْرِكِيْنَ .

''اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مُردوں کے بارے میں اس اعتقاد کا سب سے بڑا سبب وہی چیزیں ہیں جنہیں شیطان نے لوگوں کے لیے مزین کر رکھا ہے جیسا کہ قبروں کو بلند کرنا، ان پر چادریں ڈالنا، ان کو پختہ بنانا، ان کو مبالغہ آمیزی کے ساتھ مزین کرنا، ان کو بہت زیادہ خوبصورت بنانا وغیرہ ۔کسی جاہل آدمی کی نظر جب کسی قبر پر پڑتی ہے جس قبہ پر بنا ہوا ہو تو وہ اس میں داخل ہوتا ہے اور اس پر جاذب نظر چادریں اور ٹمٹماتے چراغ دیکھتا ہے، خوشبو کے بھبھوکے اس کے اردگرد اٹھ رہے ہوتے ہیں تو یقیناً اس کا دل اس قبر کی تعظیم سے معمور ہو جاتا ہے، اس کا ذہن اس میت کی قدر و منزلت کے تصور کو سمونے سے قاصر ہونے لگتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں رعب اور دبدبہ گھر کر لیتا ہے۔ یوں اس کے دل

میں وہ شیطانی عقائد پیدا ہوتے ہیں جو شیطان کی مسلمانوں کے لیے بنائی گئی چالوں میں سے سب سے بڑی چال ہیں اور جو بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کے پاس سب سے سخت حیلہ ہیں۔ یہ حیلے مسلمان کو آہستہ آہستہ اسلام سے دور کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ صاحبِ قبر سے وہ چیزیں مانگنے لگتا ہے جن پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے۔اس طرح وہ شخص مشرک ہو جاتا ہے۔''(شرح الصدور بتحریم رفع القبور، ص: 17)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اس عبارت میں قبوریوں کے عقائد کا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

انہی عقائد کی نمائندگی کرتے ہوئے احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

''اولیاء اللہ اور ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے: ﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ اس تعظیم کی کوئی قید نہیں۔ ہر ملکے ہر رسے، جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے۔ ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہٰذا جائز ہے۔ تر پھول میں چونکہ زندگی ہے، اس لیے وہ تسبیح وتہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہٰذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے۔ اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہو تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا۔''(«جاء الحق» از نعیمی :297/1)

صالحین کی قبروں کو شعائر اللہ قرار دینا رافضیوں کی روش لگتی ہے جو''مفتی'' صاحب کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اس پر قرآن وحدیث اور اجماعِ امت وفہم سلف سے کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے صالحین کی قبروں کی تعظیم کا کہاں حکم دیا ہے؟ اہل بدعت صالحین کی قبروں کی تعظیم میں جو غلو کرتے ہیں، اس غلو آمیز تعظیم کو جناب''جائز تعظیم'' قرار دیتے ہیں۔آخر کس دلیل کی بنا پر اس کو جائز قرار دیا جاتا ہے؟ اگر کوئی دلیل ہوتی تو صحابہ کرام، محدثین عظام

اور ائمہ سلف ضرور اس پر کار بند ہوتے۔

اہل سنت ، اہل حق کے علماء میں سے ایک بھی اس کا قائل و فاعل نہیں کہ صالحین کی قبروں پر چادریں اور پھول چڑھانا جائز ہیں۔ یہ اہل بدعت کے گھر کی اختراع ہے جس میں وہ اہل سنت کے زبردست مخالف ہیں اور نصاریٰ کے حمایتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ پھول میں زندگی ہے ، وہ تسبیح وتہلیل کرتا ہے، لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں پھول کی کیا خصوصیت؟ ہر چیز جاندار ہو یا بے جان اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اینٹیں ،مٹی ، گارا اور دوسری سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں لیکن اس تسبیح سے میت کو کیا فائدہ ؟ اس بارے میں بدعتی لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کی تعلیم دی ہے؟ اگر قبر کے پاس موجود پھولوں کی تسبیح سے مُردے کو کوئی فائدہ ہوتا ہوتو پھر ایک ایک باغ میں ایک ایک قبر ہونی چاہیے تا کہ پھولوں کی خوب تسبیح ہو اور مردے کو خوب فائدہ پہنچے ، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ قبر والا اگر نیک ہوگا تو اس کی نیکی اس کے کام آ جائے گی اور اگر قبر والا بدبخت ہوا تو باہر کے پھول اور باغات اس کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ یہ محض شیطانی وسوسے ہیں جو اہل بدعت کے دلوں میں گھر کر گئے ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بني إسرائيل17 : 44)

''اور (مخلوقات میں سے)ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔''

ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے : ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيحَهٗ﴾(النور24 : 44) ''بلاشبہ ہر چیز کو اس کی نماز اور اس کی تسبیح معلوم ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں : وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ

الطَّعَامِ، وَهُوَ يُؤْكَلُ . ''ہم کھانے کی تسبیح سن رہے ہوتے تھے جب وہ کھایا جا رہا ہوتا تھا۔''(صحيح البخاري : 3579)

جب کھانا بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے تو بدعتی لوگوں کو کہہ دینا چاہیے کہ قبروں پر چادروں کی طرح روٹیاں بھی چڑھائیں، مرغ قورمہ اور بریانی کی پلیٹیں بھی قبر کے اوپر رکھی جانی چاہئیں۔اس سے مرنے والے کو فائدہ ہو نہ ہو، اس کے عذاب میں کمی آئے یا نہ آئے، پیٹ پرستوں کی شکم سیری ضرور ہو جائے گی۔اسی لیے تو ان کے حواری آج بھی مزاروں پر دیگیں، بکرے اور مرغے نذر و نیاز کے لیے لاتے ہیں، منتیں مانتے ہیں، کھانے پر فاتحہ پڑھ کر قبر کی نذر کرتے ہیں۔ یہ قبروں کی وہ ''جائز تعظیم'' ہے جو مشرکین مکہ اپنے بتوں کی کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ زندوں سے کہیں زیادہ مُردوں کی ''خیرخواہ'' ہیں۔زندہ انسانوں کو یہ شرکیہ عقائد میں مبتلا کر کے گمراہ کرتے ہیں، ان کی آخرت تباہ و برباد کرتے ہیں، اعمالِ صالحہ کو ایمان سے خارج کر کے انہیں مُرجی اور بدعمل بناتے ہیں لیکن مرنے والوں کی ''جائز تعظیم'' شروع کر دیتے ہیں۔حالانکہ اگر قبروں کی ایسی تعظیم کا کوئی دینی و شرعی فائدہ ہوتا تو صحابہ کرام، رسولِ اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر وہ پھول چڑھاتے، اتنی چادریں ڈالتے، اتنے چراغ روشن کرتے، اس کو اس قدر آراستہ کرتے، اسے اتنی خوشبو لگاتے اور اس پر اتنی مجاوری کرتے کہ قیامت تک کے لیے ایک مثال قائم ہو جاتی لیکن اللہ کی قسم ! یہ سارے کام بدعات ہیں، ان کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

بدعت کی ایک ''دلیل'' :

بعض لوگ ان بدعات کے ثبوت پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں :

''نبیٔ اکرم ﷺ کا گزر دو قبروں سے ہوا، ان کو عذاب ہو رہا تھا، ان میں سے ایک اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے اجتناب نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً

رَطْبَةً، فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ، ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا ؟ فَقَالَ : لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا ۔۔۔

پھر آپ ﷺ نے ایک کھجور کی ایک تازہ ٹہنی لی ، اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ، پھر ہر قبر پر ایک کو گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی ، اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ فرمایا ، شاید کہ جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں ، اللہ تعالیٰ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کردے۔"(صحيح البخاري :1/182، ح :1361، صحيح مسلم :1/141، ح : 292)

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : اِسْتَحَبَّ الْعُلَمَاءُ قِرَاءَ ةَ الْقُرْآنِ لِهٰذَا الْحَدِيثِ، لِأَنَّهُ إِذَا كَانَ يُرْجَى التَّخْفِيفُ بِتَسْبِيحِ الْجَرِيدِ، فَتِلَاوَتُهُ أَوْلٰى، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ! "اس حدیث سے علمائے کرام نے قرآنِ کریم کی تلاوت کو مستحب سمجھا ہے، کیونکہ جب ٹہنی کی تسبیح کی وجہ سے عذاب میں تخفیف کی امید کی جاتی ہے تو قرآنِ کریم کی تلاوت بالاولیٰ ایسے ہوگی ۔ واللہ اعلم !"(شرح صحيح مسلم للنووي :1/141)

تبصرہ : اس حدیث سے قبروں پر پھول چڑھانے اور قرآن خوانی کرنے کے ثبوت پر استدلال جائز نہیں ، کیونکہ خیر القرون میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ، نیز اس میں کہیں ذکر نہیں کہ عذاب میں تخفیف ان ٹہنیوں کی تسبیح کی وجہ سے ہوئی ، لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے، نیز یہ نبیٔ اکرم ﷺ کا خاصہ تھا ۔ عذاب میں یہ تخفیف نبیٔ اکرم ﷺ کی دعا و شفاعت کی وجہ سے ہوئی ، جیسا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : إِنِّي مَرَرْتُ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ، فَأَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِي أَنْ يُرَفَّهَ ذَاكَ عَنْهُمَا، مَا دَامَ الْغُصْنَانِ رَطْبَيْنِ . "میں دو ایسی قبروں کے پاس سے گزرا ، جن (کے مردوں) کو عذاب دیا جارہا تھا ۔ میں نے اپنی شفاعت

کی وجہ سے چاہا کہ یہ عذاب ان سے ہلکا ہوجائے، جب تک دونوں ٹہنیاں تر رہیں۔''

(صحیح مسلم: 418/2، ح: 3012)

ان دومختلف واقعات میں علت ایک ہی ہے۔ اسی طرح ایک تیسرا واقعہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔(صحیح ابن حبان: 824، وسندہٗ حسنٌ)

نیز دیکھیں (مصنف ابن أبي شیبة: 376/3، مسند الإمام أحمد: 441/2، عذاب القبر للبیھقی: 123، وسندہٗ حسنٌ)

فائدہ: مورّق عجلی بیان کرتے ہیں: أَوْصٰی بُرَیْدَةُ الْأَسْلَمِيُّ أَنْ تُوضَعَ فِي قَبْرِهٖ جَرِیدَتَانِ، فَکَانَ مَاتَ بِأَدْنٰی خُرَاسَانَ، فَلَمْ تُوجَدْ إِلَّا فِي جَوَالِقِ حِمَارٍ. ''سیدنا بریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دوٹہنیاں رکھی جائیں، آپ رضی اللہ عنہ خراسان کے علاقے میں فوت ہوئے، وہاں یہ ٹہنیاں صرف گدھوں کے چھٹوں میں ملیں۔''(الطبقات لابن سعد: 8/7، وسندہٗ صحیحٌ إن صحّ سماع مورّق عن بریدة)

بشرطِ صحت یہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی اپنی ذاتی رائے معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے قبر پر دو ٹہنیاں رکھنے کا حکم دیا تھا، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح عذاب سے تخفیف کی غرض سے گاڑنے کا حکم نہیں دیا۔

فائدہ: سیدنا ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ والی روایت (تاریخ بغداد: 183,182/1) ''ضعیف'' ہے۔ اس کے دوراویوں الشاہ بن عمار اور النضر بن المنذر بن ثعلبہ العبدی کے حالات نہیں مل سکے، دوسری بات یہ ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ ''مدلس'' ہیں۔ ان کا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں۔(جامع التحصیل فی احکام المراسیل: 255)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دو گناہگار لوگوں کی قبروں پر کھجور کی ٹہنیاں گاڑی تھیں، ظاہر ہے کہ قبریں کچی تھیں، تب ہی ٹہنیاں ان پر گڑ گئیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا لیکن بدعتی

لوگ قبریں ہی پکی بناتے ہیں اور پھر ان پر پھول چڑھاتے ہیں۔ ہم اہل عقل و انصاف سے پوچھتے ہیں کہ اس حدیث کے کسی بھی لفظ سے اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول چڑھانے کا جواز نکلتا ؟ اگر اس بدعت کو مذکورہ حدیثی دلیل کی وجہ سے کیا جاتا تو چاہیے تھا کہ گناہگاروں کی قبروں پر پھول چڑھائے جاتے لیکن پہلے یہ بدعت ایجاد ہوئی ، بعد میں اس کے دفاع کے لیے ایک حدیث کو کھینچ تان کر دلیل بنایا گیا ، اسی لیے یہ تناقض لازم آیا۔

شارحِ بخاری علامہ بدرالدین عینی حنفی (762-855ھ) بھی لکھتے ہیں :

وَكَذٰلِكَ مَا يَفْعَلُهُ أَكْثَرُ النَّاسِ مِنْ وَّضْعِ مَا فِيهِ رَطُوبَةٌ مِنَ الرَّيَاحِينَ وَالْبُقُولِ وَنَحْوِهِمَا عَلَى الْقُبُورِ، لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَإِنَّمَا السُّنَّةُ الْغَرْزُ .

''اسی طرح اکثر لوگ قبروں پر جو پھول اور سبزیوں وغیرہ جیسی تر چیزیں رکھتے ہیں ، بے فائدہ اور بے بنیاد عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تو (ٹہنیوں کو) گاڑنے کا تھا۔''

(عمدة القاري للعيني : 3/121)

معلوم ہوا کہ قبروں پر پھول چڑھانا بے دلیل عمل ہے بلکہ یہ لغو اور عبث فعل ہے۔ اس کے حرام و ناجائز اور بدعتِ سیئہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

علامہ حمد بن محمد خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

فَإِنَّهٗ مِنْ نَّاحِيَةِ التَّبَرُّكِ بِأَثَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُعَائِهٖ بِالتَّخْفِيفِ عَنْهُمَا، وَكَأَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ مُدَّةَ بَقَاءِ النَّدَاوَةِ فِيهِمَا حَدًّا لِّمَا وَقَعَتْ بِهِ الْمَسْأَلَةُ مِنْ تَخْفِيفِ الْعَذَابِ عَنْهُمَا، وَلَيْسَ ذٰلِكَ مِنْ أَجْلِ أَنَّ فِي الْجَرِيدِ الرَّطْبِ مَعْنًى لَيْسَ فِي الْيَابِسِ، وَالْعَامَّةُ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْبُلْدَانِ تَفْرِشُ الْخُوْصَ فِي قُبُورِ مَوْتَاهُمْ، وَأَرَاهُمْ ذَهَبُوا إِلٰى هٰذَا، وَلَيْسَ لِمَا تُعَاطُوهُ مِنْ ذٰلِكَ وَجْهٌ . ''ان دونوں شخصوں کو عذابِ قبر میں

تخفیف نبی اکرم ﷺ کی تاثیر و برکت اور دعا کی وجہ سے ہوئی۔اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے عذاب کی تخفیف کی حد ٹہنیوں کے تر رہنے تک اس لیے بیان کی کہ آپ نے تخفیف کی دعا اتنے ہی عرصے کے بارے میں کی تھی، یہ حد اس لیے بیان نہیں کی گئی کہ تر ٹہنی میں کوئی تاثیر تھی جو خشک میں نہ تھی۔بہت سے علاقوں میں عام لوگ اپنے مُردوں کی قبروں میں کھجور و ناریل وغیرہ کے پتے بچھاتے ہیں، میرے خیال میں ان کے مدنظر یہی بات ہوتی ہے حالانکہ ان کے اس کام کا کوئی جواز نہیں۔'' (معالم السنن للخطابي :27/1)

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ (1309-1377ھ) علامہ خطابی رحمہ اللہ کی تائید میں فرماتے ہیں :

وَصَدَقَ الْخَطَّابِيُّ، وَقَدِ ازْدَادَ الْعَامَّةُ إِصْرَارًا عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ الَّذِي لَا أَصْلَ لَهٗ، وَغَلَوْا فِيهِ خُصُوصًا فِي بِلَادِ مِصْرَ تَقْلِيدًا لِلنَّصَارٰى حَتّٰى صَارُوا يَضَعُونَ الزُّهُورَ عَلَى الْقُبُورِ، وَيَتَهَادَونَهَا بَيْنَهُمْ فَيَضَعُهَا النَّاسُ عَلٰى قُبُورِ أَقَارِبِهِمْ وَمَعَارِفِهِمْ تَحِيَّةً لَّهُمْ وَمُجَامَلَةً لِلْأَحْيَاءِ، وَحَتّٰى صَارَتْ عَادَةً شَبِيهَةً بِالرَّسْمِيَّةِ فِي الْمُجَامَلَاتِ الدُّوَلِيَّةِ، فَتَجِدُ الْكُبَرَاءَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِذَا نَزَلُوا بَلدةً مِّنْ بِلَادِ أُورُوبَا ذَهَبُوا إِلٰى قُبُورِ عُظَمَائِهَا أَو إِلٰى قَبْرِ مَنْ يُّسَمُّونَهُ الْجُنْدِيَّ الْمَجْهُولَ، وَضَعُوا عَلَيْهَا الزُّهُورَ، وَبَعْضُهُمْ يَضَعُ الزُّهُورَ الصَّنَاعِيَّةَ الَّتِي لَا نَدَاوَةَ فِيهَا تَقْلِيدًا لِّلْإِفْرَنْجِ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَنِ مَنْ قَبْلَهُمْ، وَلَا يُنْكِرُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمُ الْعُلَمَاءُ أَشْبَاهَ الْعَامَّةِ، بَلْ تَرَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ يَصْنَعُونَ ذٰلِكَ فِي قُبُورِ مَوْتَاهُمْ، وَلَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّ أَكْثَرَ الْأَوْقَافِ الَّتِي تُسَمّٰى أَوْقَافًا خَيْرِيَّةً مَوْقُوفٌ رِيعُهَا عَلَى الْخُوصِ وَالرَّيْحَانِ الَّذِي يُوضَعُ فِي الْقُبُورِ، وَكُلُّ هٰذِهٖ بِدَعٌ وَّمُنْكَرَاتٌ لَّا أَصْلَ لَهَا فِي الدِّينِ، وَلَا مُسْتَنِدَ لَهَا مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَيَجِبُ عَلٰى أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُّنْكِرُوهَا، وَأَنْ يُبْطِلُوا هٰذِهِ الْعَادَاتِ مَا اسْتَطَاعُوا . ''علامہ خطابی رحمہ اللہ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔عام

لوگ عیسائیوں کی تقلید میں اس بے اصل عمل کے کرنے پر بہت زیادہ مصر ہو گئے ہیں اور اس بارے میں غلو کا شکار ہو چکے ہیں، خصوصاً مصر کے علاقے میں، حتی کہ وہ قبروں پر پھول رکھنے لگے اور ایک دوسرے کو تحفے دینے لگے، پھر لوگ ان پھولوں کو اپنے عزیز و اقارب کی قبروں پر تحفے کے طور پر اور زندوں سے حسن سلوک کے طور پر رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ یہ طریقہ علاقائی رسوم و رواج کے مشابہ ہو گیا۔آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان ملکوں کے سربراہ جب یورپ کے کسی علاقے میں جاتے ہیں تو ان کے عظیم لوگوں یا کسی نامعلوم فوجیوں کی قبروں پر جاتے ہیں اور ان پر پھول چڑھاتے ہیں اور بعض تو بناوٹی پھول بھی رکھتے ہیں جن میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔وہ لوگ یہ کام انگریزوں کی تقلید اور پہلی امتوں کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے کرتے ہیں۔عام لوگوں کی طرح کے علماء بھی ان کو اس بات سے منع نہیں کرتے بلکہ آپ ان علماء کو دیکھیں گے کہ وہ خود اپنے مُردوں کی قبروں پر ایسا کرتے ہیں۔یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ اکثر اوقاف جنہیں فلاحی اوقاف کہا جاتا ہے، ان کی آمدنی قبروں پر پھول اور پتیاں چڑھانے کے لیے وقف ہے۔یہ سارے کام بدعات و خرافات ہیں جن کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں۔اہل علم پر ان کا ردّ کرنا اور حسب استطاعت ان رسوم کو ختم کرنا واجب ہے۔'' (تعليق أحمد شاكر على الترمذي :103/1)

''مفتی'' صاحب نے فتاویٰ شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس حدیث سے قبروں کے اوپر گھاس وغیرہ رکھنے کا ندب (استحباب) ثابت ہوتا ہے۔ان سے عرض ہے کہ علامہ ابن عابدین شامی خود زبردست قسم کے بدعتی تھے۔ان کی بات اہل حق کے مقابلے میں پرِ کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر اس بات میں ان کے ساتھ پانچ سو بدعتی اور جاہل مزید بھی مل جائیں تو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ جناب سرفراز خان صفدر حنفی دیوبندی حیاتی صاحب لکھتے ہیں: ''رہا شامی وغیرہ کا یہ قول کہ قبور پر ستور (چادریں وغیرہ) درست ہیں کیونکہ اس میں صاحبِ قبر کی تعظیم ہے وغیرہ وغیرہ تو قابل التفات نہیں، اس لیے کہ یہ غیر مجتہد کا

قول ہونے کے علاوہ بلا دلیل بھی ہے۔'' (راہِ سنت از صفدر، ص: 200)

جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب (1324-1391ھ) لکھتے ہیں:

''اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحبِ قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔'' («جاء الحق» از نعیمی: 299/1)

دلیل ہو تو ایسی! جب تک یہ لوگ عام مسلمانوں کی قبروں سے اپنے بزعم خویش ''اولیاء'' کی قبروں کو ممتاز نہ کریں، ان کے پیٹ کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ''جائز تعظیم'' گھڑ کر دین میں بدعت جاری کر رہے ہیں۔ اگر اولیاء اللہ کی قبروں کی یہ تعظیم واقعی ضروری تھی تو شریعت نے اس طرف رہنمائی کیوں نہیں کی؟ علمائے حق اس سے باز کیوں رہے؟ اب ''مفتی'' صاحب کی دلیل بھی ملاحظہ فرمائیں: ''چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں کعبہ معظّمہ پر غلاف تھا، اس کو منع نہ فرمایا۔'' («جاء الحق» از نعیمی: 299/1)

اسے کہتے ہیں ''سوال گندم، جواب چنا''۔ بات قبروں پر چادریں چڑھانے کی ہو رہی ہے لیکن ''مفتی'' صاحب نے دلیل کعبۃ اللہ کے غلاف کی کر دی ہے۔ اگر کعبۃ اللہ کے غلاف کو دلیل بنانا ہے تو پھر ہر ایک قبر پر چادر چڑھنی چاہیے اور اگر اس سے ایسا کوئی جواز نکلتا ہوتا تو صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور ائمہ دین ضرور اس سے استدلال کر کے قبروں پر چادریں چڑھانے کے قائل و فاعل ہوتے۔ غلافِ کعبہ تو ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ (صحيح البخاري: 613/1، ح: 4280)

اب چاہیے کہ قبروں پر چادریں چڑھانے کا ثبوت فراہم کیا جائے۔ شاید یہ لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کو کعبہ ہی سمجھتے ہیں، تب ہی تو ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ان کا طواف کرتے ہیں اور ان پر غلاف وغیرہ بھی چڑھاتے ہیں۔

''مفتی'' صاحب مزید لکھتے ہیں: ''صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہیں کیا۔ مقام

ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظّمہ بنایا، اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لیے، احترامِ اولیاء کے لیے، ان کی قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔'' («جاء الحق» از نعیمی :299/1)

''مفتی'' صاحب کی دلائل کی دنیا میں بے بسی ملاحظہ ہو کہ اب صریح دروغ گوئی پر اتر آئے ہیں۔ نہ قبر رسول ﷺ پر کوئی غلاف ہے نہ مقامِ ابراہیم پر۔ جس بنیاد پر اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں چڑھانے کا جواز پیش کیا گیا، اس کا وجود تک نہیں ملتا۔

ثابت ہوا کہ قبروں پر چادریں اور پھول وغیرہ چڑھانا اہل بدعت کا کام ہے۔ اگر دلیل ہوتی تو سلف صالحین اور ائمہ دین بھی چڑھاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁❁❁

عید میلاد میں اہل کتاب کی پیروی یا مخالفت؟

حافظ سخاوی (831-920ھ) نے لکھا: وَإِذَا كَانَ أَهْلُ الصَّلِيبِ اتَّخَذُوا لَيْلَةَ مَوْلِدِ نَبِيِّهِمْ عِيدًا أَكْبَرَ، فَأَهْلُ الْإِسْلَامِ أَوْلٰى بِالتَّكْرِيمِ وَأَجْدَرُ . ''کہ جب اہل صلیب نے اپنے نبی کی ولادت والی رات کو بڑی عید بنایا ہے تو اہل اسلام (اپنے نبی کی) عزت وتکریم کے زیادہ اہل ہیں۔'' (التبر المسبوك في ذيل السلوك، ص: 14)

تو اس کے ردّ میں ملا علی قاری حنفی (م: 1014ھ) لکھتے ہیں: مِمَّا يَرِدُ عَلَيْهِ أَنَّا مَأْمُورُونَ بِمُخَالَفَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ . ''ان کے ردّ میں ایک دلیل یہ ہے کہ ہمیں تو اہل کتاب کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے (نہ کہ ان کی سنت پر عمل کر میلاد منانے کا)۔''

(المورد الرويّ في المولد النبويّ لملا علي القاري، ص: 29,28، نقلًا عن المكتبة الشاملة)

امام ابوحنیفہ کی طرف تین کتابیں اور دو رسالے منسوب ہیں، وہ یہ ہیں:

1 الفقه الأكبر　2 العالم والمتعلّم　3 كتاب الحيل

4 الوصيّة　5 رسالة إلى عثمان البتّي

ان میں سے کتاب الحیل کے علاوہ کوئی بھی کتاب امام صاحب سے ثابت نہیں بلکہ محض جھوٹی نسبت کی بنا پر مشہور ہیں۔ان کا تفصیل جائزہ پیش خدمت ہے:

① **الفقه الأكبر:** (ا) اس کی ایک سند یہ ہے:

محمّد بن مقاتل الرازي، عن عصام بن يوسف، عن حمّاد بن أبي حنيفة، عن أبي حنيفة .

کسی کتاب کی نسبت صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مصنف تک باسند صحیح ثابت ہو، اب ہم اس کتاب کی سند کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے راویوں کے حالات بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

① **محمد بن مقاتل رازی کو حافظ ذہبی رحمہ اللہ** (المغني في الضعفاء : 635/2) **اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ** (تقريب التهذيب : 6319) **نے ''ضعیف'' کہا ہے۔اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں، نیز حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:**

وَهُوَ مِنَ الضُّعَفَاءِ الْمَتْرُوكِينَ . **''یہ راوی متروک درجے کے ضعیف راویوں میں سے ہے۔''** (تاريخ الإسلام للذهبي : 1247/5)

② عصام بن یوسف بلخی راوی کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ رَوٰی عِصَامٌ هٰذَا عَنِ الثَّوْرِيِّ وَعَنْ غَيْرِهٖ أَحَادِيثَ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهَا .

''اس عصام نے امام سفیان ثوری اور دیگر اساتذہ سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن کی کسی نے متابعت نہیں کی۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 5/371، وفي نسخة: 5/2008)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَكَانَ صَاحِبَ حَدِيثٍ، ثَبْتًا فِي الرِّوَايَةِ، رُبَّمَا أَخْطَأَ . ''یہ محدث تھا اور روایت میں قابل اعتماد تھا، کبھی کبھار غلطی کر لیتا تھا۔''(الثقات لابن حبان: 8/521)

امام خلیلی فرماتے ہیں: وَهُوَ صَدُوقٌ . ''یہ سچا راوی ہے۔''

(الإرشاد للخليلي: 3/937)

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، امام ابن سعد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

كَانَ عِنْدَهُمْ ضَعِيفًا فِي الْحَدِيثِ . ''یہ راوی محدثین کرام کے ہاں حدیث کے معاملے میں کمزور تھا۔''(لسان الميزان لابن حجر: 4/168)

لیکن یہ حوالہ طبقات ابن سعد سے نہیں مل سکا۔

③ حماد بن ابی حنیفہ ''ضعیف'' راوی ہے۔ اس کے بارے میں توثیق کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَا أَعْلَمُ لَهٗ رِوَايَةً مُسْتَوِيَةً فَأَذْكُرَهَا . ''میں اس کی ایک بھی درست روایت نہیں جانتا جسے ذکر کر سکوں۔''(الكامل لابن عدي: 2/253، وفي نسخة: 2/669)

نیز فرماتے ہیں: وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ أَبِي حَنِيفَةَ لَيْسَ لَهٗ مِنَ

الرِّوَايَاتِ شَيْءٌ، لَيْسَ هُوَ، وَلَا أَبُوهُ حَمَّادٌ، وَلَا جَدُّهُ أَبُو حَنِيفَةَ مِنْ أَهْلِ الرِّوَايَاتِ، وَثَلَاثَتُهُمْ قَدْ ذَكَرْتُهُمْ فِي كِتَابِي هٰذَا فِي جُمْلَةِ الضُّعَفَاءِ.

''اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ نے کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ اسماعیل بن حماد، اس کے والد حماد اور اس کے دادا ابوحنیفہ، تینوں ہی احادیث کے قابل (محدث) نہیں تھے۔ (یہی وجہ ہے کہ) میں نے ان تینوں کو اپنی کتاب میں ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي :314/1)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ ابْنُ عَدِيٍّ وَغَيْرُهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

''اسے امام ابن عدی وغیرہ نے حافظے کی کمزوری کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔''

(ميزان الاعتدال للذهبي :590/1)

یہ تو تھا کتاب کی سند کا حال۔ علمی دنیا میں دل کیسے مطمئن ہوسکتا ہے کہ یہ تصنیف امام ابوحنیفہ کی ہے؟ یہ جھوٹی نسبت ہے، اسی لیے محدثین اور علمائے حق نے اس کی طرف التفات تک نہیں کیا۔

پھر یہ پانچ چھ صفحات پر مشتمل رسالہ گمراہی وضلالت سے لبریز ہے۔اس میں گمراہ کن اشعری عقیدہ درج ہے۔ ملا علی قاری حنفی معتزلی نے اس کی شرح میں معتزلی عقیدہ کا اضافہ کر کے رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے۔ اس میں اہل سنت والجماعت، اہل حق کے عقائد کے موافق کوئی بات نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ جہالت وضلالت اور کذب و زُور کا پلندہ ہے۔

② (ب) اس کی دوسری سند یہ ہے:

الحسين بن علي الكاشغري، عن أبي مالك نصران بن نصر الختلي، عن أبي الحسن علي بن أحمد الفارسي، عن نصر بن يحيٰى،

عن أبي مطيع . (مقدمة كتاب العالم والتعلّم للكوثري)

اس کے راویوں کا مختصر حال بھی ملاحظہ ہو:

① حسین بن علی کاشغری سخت جھوٹا راوی ہے۔ یہ خود احادیث گھڑ لیتا تھا۔

❁ اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُتَّهَمٌ بِالْكِذْبِ . ''اس پر جھوٹ کا الزام ہے۔''(میزان الاعتدال :544/1)

❁ حافظ سمعانی فرماتے ہیں: يَضَعُ الْحَدِيثَ .

''یہ خود حدیث گھڑ لیتا ہے۔''(لسان المیزان لابن حجر : 305/2)

❁ ابن نجار کہتے ہیں: كَانَ شَيْخًا صَالِحًا مُتَدَيِّنًا، إِلَّا أَنَّهُ كَتَبَ الْغَرَائِبَ، وَقَدْ ضَعَّفُوهُ وَاتَّهَمُوهُ بِالْوَضْعِ .

''یہ نیک اور دیندار شیخ تھا لیکن اس نے منکر روایات لکھیں۔ محدثین کرام نے اسے ضعیف قرار دیا اور اس کو حدیثیں گھڑنے کے ساتھ متہم کیا۔''(لسان المیزان : 305/3)

② نصران بن نصر ختلی راوی ''مجہول'' ہے۔ اس کی توثیق تو درکنار اس کا ذکر تک کہیں سے نہیں ملتا۔

③ علی بن احمد فارسی راوی بھی ''مجہول'' ہے۔کتبِ رجال میں اس کا ذکر تک نہیں ملتا۔

④ نصر بن یحییٰ بلخی راوی بھی نامعلوم ہے۔اس کا بھی رجال کی کتب میں نام و نشان نہیں۔

⑤ ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی راوی سخت ترین مجروح اور ''ضعیف'' ہے۔

ثابت ہوا کہ فقہ اکبر جھوٹی کتاب ہے جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

لہٰذا جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ:

''بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اپنی کوئی تصنیف نہیں اور خصوصاً الفقه الأكبر ان کی نہیں، لیکن یہ ان حضرات کا نِرا وہم ہے۔''

(مقام أبي حنيفه از صفدر، ص: 108)

معلوم ہوا کہ فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف قرار دینا صفدر صاحب کا ''نِرا وہم'' ہے۔

② **العالم والمتعلّم:** اس کتاب کی بھی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف بالکل غلط ہے۔ اس کی سند یہ ہے:

أبو محمّد الحارثيّ البخاريّ، عن محمّد بن يزيد، عن الحسن بن صالح، عن أبي مقاتل، عن أبي حنيفة. (مقدمة كتاب العالم والمتعلّم للكوثري)

اس سند کے راویوں کے مختصر حالات یہ ہیں:

① ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی بخاری سخت مجروح راوی ہے۔

❁ امام ابوزرعہ احمد بن حسین رازی رحمہ اللہ (م: 357ھ) فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ. ''یہ ضعیف راوی تھا۔''

(سوالات السهمي للدارقطني، ص: 228، ت: 318، تاريخ بغداد للخطيب: 127/10)

❁ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الرُّوَّاسُ: يُتَّهَمُ بِوَضْعِ الْحَدِيثِ. ''ابوسعید رواس کا کہنا ہے کہ یہ متہم بالکذب راوی تھا۔''

(ميزان الاعتدال للذهبي: 496/4)

❁ احمد سلیمانی کہتے ہیں: كَانَ يَضَعُ هٰذَا الْإِسْنَادَ عَلٰى هٰذَا الْمَتْنِ، وَهٰذَا الْمَتْنَ عَلٰى هٰذَا الْإِسْنَادِ. ''یہ شخص ایک سند کو دوسرے متن کے ساتھ اور ایک متن کو دوسری سند کے ساتھ لگا دیتا تھا۔'' (ميزان الاعتدال: 496/4)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهٰذَا ضَرْبٌ مِّنَ الْوَضْعِ .
''ایسا کرنا حدیث گھڑنے کی ایک قسم ہے۔''(میزان الاعتدال : 4/496)

❁ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هُوَ صَاحِبُ عَجَائِبَ وَأَفْرَادَ عَنِ الثِّقَاتِ . ''یہ ثقہ راویوں سے عجیب وغریب روایات بیان کرنے والا شخص تھا۔''
(میزان الاعتدال : 4/496)

❁ حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صَاحِبُ عَجَائِبَ وَمَنَاكِيرَ وَغَرَائِبَ . ''یہ شخص عجیب وغریب اور منکر روایات بیان کرنے والا تھا۔''
(تاریخ بغداد للخطیب : 10/127)

نیز فرماتے ہیں: وَلَيْسَ بِمَوْضِعِ الْحُجَّةِ . ''یہ حجت پکڑنے کے قابل نہیں۔''(تاریخ بغداد للخطیب : 10/127)

❁ حافظ خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يُعْرَفُ بِالْأُسْتَاذِ، لَهُ مَعْرِفَةٌ بِهٰذَا الشَّأْنِ، هُوَ لَيِّنٌ، ضَعَّفُوهُ، يَأْتِي بِأَحَادِيثَ يُخَالَفُ فِيهَا، حَدَّثَنَا عَنْهُ الْمَلَاحِمِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ الْبَصِيرِ بِعَجَائِبَ .

''یہ راوی استاذ کے نام سے معروف ہے۔ یہ علم حدیث کی معرفت رکھتا تھا۔لیکن کمزور تھا، محدثین کرام نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ ایسی احادیث بیان کرتا ہے جن میں ثقہ راوی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ہمیں اس سے ملاحمی اور احمد بن محمد بن حسین بصیر نے منکر روایات بیان کی ہیں۔''(الارشاد فی معرفة علماء الحدیث للخلیلی : 3/185)

یہ تو استاذ حارثی کا حال ہے جس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

② محمد بن یزید ''مجہول'' اور نامعلوم راوی ہے۔کتبِ رجال میں اس کا ذکر نہیں مل سکا۔

③ حفص بن اسلم سمرقندی ''کذاب'' اور ''وضّاع'' راوی ہے۔

❁ امام قتیبہ بن مسلم فرماتے ہیں: میں نے ابو مقاتل سے اس کی ایک حدیث کے بارے میں کہا: يَا أَبَا مُقَاتِلٍ ! هُوَ مَوْضُوعٌ ؟، قَالَ : بَابَا، هُوَ فِي كِتَابِي، وَتَقُولُ : هُوَ مَوْضُوعٌ ؟ قَالَ : قُلْتُ : نَعَمْ، وَضَعُوهُ فِي كِتَابِكَ .

''اے ابو مقاتل! کیا یہ من گھڑت ہے؟ اس نے کہا: بابا! یہ میری کتاب میں درج ہے اور تم کہتے ہو کہ کیا یہ موضوع ہے؟ میں نے کہا: ہاں، جھوٹے لوگوں نے اس حدیث کو تیری کتاب میں ڈال دیا ہے۔''(الكامل لابن عدي : 393,392/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ احمد سلیمانی کہتے ہیں: فِي عِدَادِ مَنْ يَّضَعُ الْحَدِيثَ .

''اس راوی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو خود احادیث گھڑ لیتے تھے۔''

(لسان الميزان لابن حجر : 323/2)

❁ امام جوزجانی کہتے ہیں: كَانَ يُنْشِئُ لِلْكَلَامِ الْحَسَنِ إِسْنَادًا .

''یہ راوی اچھی بات کو کوئی سند لگا کر حدیث بنا دیتا تھا۔''(أحوال الرجال : 345)

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَيْسَ هُوَ مِمَّنْ يُّعْتَمَدُ عَلٰى رِوَايَاتِهٖ . ''یہ ان راویوں میں سے نہیں جن کی روایات پر اعتماد کیا جا سکے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 394/2)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَأْتِي بِالْأَشْيَاءِ الْمُنْكَرَةِ الَّتِي يُعْلَمُ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيثِ أَنَّهٗ لَيْسَ لَهَا أَصْلٌ يُّرْجَعُ إِلَيْهِ .

''یہ ایسی منکر روایات بیان کرتا ہے کہ کتبِ حدیث کی طرف رجوع کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوئی ایسی اصل نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔''(المجروحين : 256/1)

❁ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حَدَّثَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، وَأَيُّوبَ

السُّخْتِيَانِيِّ، وَمِسْعَرٍ، وَغَيْرِهِ بِأَحَادِيثَ مَوْضُوعَةٍ .

''اس نے عبید اللہ، امام ایوب سختیانی، مسعر وغیرہ کی طرف منسوب کر کے من گھڑت احادیث بیان کی ہیں۔''(المدخل إلى الصحيح للحاكم، ص : 131,130)

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی ایک حدیث کو''غیر قوی'' قرار دیا ہے۔

(شعب الإيمان للبيهقي : 187/6، ح :7861)

❁ حافظ ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : حَدَّثَ عَنْ أَيُّوبَ السُّخْتَيَانِيِّ، وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَمِسْعَرٍ بِالْمَنَاكِيرِ . ''اس نے امام ایوب سختیانی، عبید اللہ بن عمر اور مسعر کی طرف منسوب کر کے منکر روایات بیان کی ہیں۔''

(الضعفاء للأصبهاني : 52)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔(الكشف الحثيث : 718)

نیز فرماتے ہیں: أَحَدُ الْمَتْرُوكِينَ . ''یہ ایک متروک راوی ہے۔''

(المغني للذهبي : 809/2)

مزید فرماتے ہیں : وَهُوَ مُتَّهَمٌ، وَاهٍ . ''یہ متہم بالکذب اور کمزور راوی ہے۔''(تاريخ الإسلام للذهبي : 458/6)

❁ ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ .

''یہ متروک الحدیث راوی ہے۔''(معرفة التذكرة في الأحاديث الموضوعة :214/1)

البتہ اس کے بارے میں حافظ خلیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَشْهُورٌ بِالصِّدْقِ وَالْعِلْمِ . ''یہ شخص صدق اور علم کے ساتھ مشہور ہے۔''(الإرشاد للخليلي : 975/3)

یہ حافظ خلیلی رحمہ اللہ کا تسامح ہے، انہیں اس کی شخصیت کے بارے میں علمائے کرام کی جروح کا علم نہیں ہو سکا ہوگا۔محدثین کرام کے اتفاقی فیصلے کے خلاف ان کی یہ رائے قابل

قبول نہیں ہوسکتی۔

ثابت ہوا کہ یہ کتاب بھی امام ابوحنیفہ کی طرف جھوٹی منسوب ہے۔یہ کتاب بھی ضلالت و گمراہی سے اٹی پڑی ہے۔اس میں بھی اہل سنت والجماعت کے اتفاقی عقائد کی واضح طور پر خلاف ورزی کی گئی ہے۔

③ کتاب الحِیَل : یہ کتاب امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں باقی نہیں رکھا۔اس کا اب کوئی وجود نہیں ملتا۔

اس کتاب کے بارے میں امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الحَنَّائِيُّ، قَالَ : أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الشَّافِعِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ السُّلَمِيُّ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ : مَنْ نَّظَرَ فِي كِتَابِ الْحِيَلِ لِأَبِي حَنِيفَةَ، أَحَلَّ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ، وَحَرَّمَ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ .

''ہمیں محمد بن عبیداللہ حنائی نے بتایا، وہ کہتے ہیں :ہمیں محمد بن عبداللہ شافعی نے خبر دی، انہوں نے کہا :ہمیں محمد بن اسماعیل سلمی نے بتایا، وہ بیان کرتے ہیں :ہمیں ابوتوبہ ربیع بن نافع نے خبر دی ، وہ کہتے ہیں :ہمیں امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا : جوشخص امام ابوحنیفہ کی کتاب الحیل کا مطالعہ کرے گا ، وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کوحلال کہنے لگے گا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کوحرام ٹھہرانے لگے گا۔''(تاریخ بغداد : 13/426 ، وسندهٗ صحيحٌ)

اس روایت کی سند کے راویوں کے بارے میں ملاحظہ فرمایئے !

① امام ابوبکر احمد بن علی، المعروف خطیب بغدادی رحمہ اللہ ثقہ امام ہیں۔ان کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ یوں رقمطراز ہیں : أَحَدُ الْحُفَّاظِ الْأَعْلَامِ، وَمَنْ خَتَمَ بِهِ اتْقَانُ هٰذَا الشَّأْنِ، وَصَاحِبُ التَّصَانِيفِ الْمُنْتَشِرَةِ فِي الْبُلْدَانِ .

''آپ رحمہ اللہ ان علمائے کرام میں سے تھے جو حافظ الحدیث اور علامہ تھے۔ان پر علم کی

پختگی ختم ہوگئی۔آپ کی بہت ساری تصانیف ہیں جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔''

(تاريخ الإسلام للذهبي : 10/175)

② محمد بن عبیداللہ بن یوسف حنائی کے بارے میں امام خطیب فرماتے ہیں:
كَتَبْنَا عَنْهُ، وَكَانَ ثِقَةً مَّأْمُونًا، زَاهِدًا، مُلَازِمًا لِّبَيْتِهِ .
''ہم نے ان سے احادیث لکھی ہیں۔ وہ ثقہ مامون، عابد و زاہد تھے اور اپنے گھر میں ہی مقیم رہتے تھے۔''(تاريخ بغداد للخطيب البغدادي : 3/336)

③ امام ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم شافعی کے بارے میں ناقد رجال حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلْإِمَامُ، الْمُحَدِّثُ، الْمُتْقِنُ، الْحُجَّةُ، الْفَقِيهُ، مُسْنِدُ الْعِرَاقِ . ''آپ امام، محدث، راسخ فی العلم، حجت، فقیہ اور عراق کے محدث تھے۔''(سير أعلام النبلاء للذهبي : 16/40,39)

④ محمد بن اسماعیل سلمی ثقہ حافظ ہیں۔(تقريب التهذيب لابن حجر : 5738)

⑤ ابوتوبہ ربیع بن نافع ثقہ حجت ہیں۔(تقريب التهذيب لابن حجر : 1902)

⑥ امام عبداللہ بن مبارک ثقہ، ثبت، فقیہ، عالم، جواد اور مجاہد ہیں۔

(تقريب التهذيب لابن حجر : 3570)

④ <u>كتاب الوصيّة :</u> یہ کتاب بھی امام ابوحنیفہ کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے۔امام صاحب تک اس کتاب کی سند یہ ہے:

أبو طاهر محمّد بن المهديّ الحسينيّ، عن إسحاق بن منصور المسياريّ، عن أحمد بن عليّ السليماني، عن حاتم بن عقيل الجوهريّ، عن أبي عبد اللّٰه محمد بن سماعة التميميّ، عن أبي يوسف، عن الإمام أبي حنيفة . (أصول الدين عن أبي حنيفة للدكتور محمّد الخميس، ص : 139)

اب اس سند کے راویوں کے بارے میں مختصر جائزہ پیش خدمت ہے:

④-① محمد بن مہدی حسینی ، اسحاق مسیاری، احمد سلیمانی اور حاتم جوہری، چاروں نامعلوم ومجہول ہیں۔کتبِ رجال میں ان کا ذکرنہیں ملتا۔

⑤ قاضی ابویوسف جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' راوی ہے۔

یہ کتاب اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف خرافات سے بھری پڑی ہے۔

❺ **رسالة أبي حنيفة إلى عثمان البتّي :** یہ رسالہ گمراہ کن عقیدہ ''ارجاء'' پرمشتمل ہے۔اس کی سند امام ابوحنیفہ تک یہ بیان کی گئی ہے :

يحيى بن مطرّف البلخيّ، عن أبي صالح محمّد بن الحسين السمرقنديّ، عن أبي معيد سعدان بن محمّد البستي، عن أبي الحسن عليّ بن أحمد الفارسيّ، عن نصير بن يحيى البلخيّ، عن محمّد بن سماعة التميميّ، عن أبي يوسف، عن أبي حنيفة .

(مقدمة كتاب العالم والمتعلّم للكوثري، ص : 6,5)

اس کے راویوں کا مختصر حال درج ذیل ہے :

①-④ یحییٰ بن مطرف بلخی، محمد بن حسین سمرقندی ، سعدان بن محمد بستی، علی بن احمد فارسی ، چاروں میں سے کسی کا کسی بھی کتاب میں تذکرہ نہیں ملتا۔یہ مجہول انسان ہیں۔

⑤ نصیر بن یحییٰ بلخی راوی بھی ''مجہول'' ہے۔اس کے متعلق ادنیٰ کلمہ توثیق بھی چابت نہیں ہوسکا۔

⑥ قاضی ابو یوسف جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' راوی ہے۔خود امام ابوحنیفہ نے ابویوسف سے فرمایا تھا : لَا تَرْوِ عَنِّي شَيْئًا، فَإِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَدْرِي أُخْطِئُ أَنَا أَمْ أُصِيبُ ؟ ''تم مجھ سے کوئی بات روایت نہ کرنا کیونکہ اللہ کی قسم ، میں نہیں جانتا کہ غلط بات کہہ رہا ہوتا ہوں یا درست !''(تاريخ بغداد للخطيب : 424/13، وسندهٗ صحيحٌ)

اگر امام کی اقتدا میں نماز پڑھی جا رہی ہو تو صف کے پیچھے اکیلے مرد کی کوئی بھی نماز کسی بھی صورت میں نہیں ہوتی۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ①: سیدنا وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«إِنَّ رَجُلًا صَلّٰى خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَہٗ، فَأَمَرَہٗ أَنْ یُّعِیدَ الصَّلَاۃَ»

''ایک آدمی نے اکیلے صف کے پیچھے نماز ادا کی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔'' (جامع الترمذي : 230، سنن أبي داوٗد : 682، سنن ابن ماجه : 1004، مسند الإمام أحمد : 228/4، مسند الدارمي : 815/2، ح : 1322، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن'' جبکہ امام ابن جارود (319) اور امام ابن حبان (الموارد : 405) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَقَدْ ثَبَّتَ ھٰذَا الْحَدِیثَ أَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ . ''اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔'' (الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف لابن المنذر : 184/4)

دلیل نمبر ②: سیدنا علی بن شیبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَانْصَرَفَ، فَرَاٰی رَجُلًا یُّصَلِّي فَرْدًا خَلْفَ الصَّفِّ، فَوَقَفَ نَبِيُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتَّی انْصَرَفَ الرَّجُلُ مِنْ صَلَاتِہٖ، فَقَالَ لَہٗ : «اسْتَقْبِلْ صَلَاتَکَ، فَلَا صَلَاۃَ

لِفَرْدٍ خَلْفَ الصَّفِّ . ''آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ اس کے نماز سے فارغ ہونے تک اس کے پاس کھڑے ہو گئے۔ پھر (جب اس نے سلام پھیرا تو) اس سے فرمایا: اپنی نماز نئے سرے سے پڑھو، کیونکہ صف کے پیچھے کسی بھی اکیلے شخص کی کوئی نماز نہیں ہوتی۔''

(مسند الإمام أحمد : 23/4، ح : 24293، سنن ابن ماجه : 1003، وسندهٗ حسنٌ)

امام اثرم، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ .

''یہ حدیث حسن ہے۔'' (التلخيص الحبير : 37/2)

امام ابن خزیمہ (1569) اور امام ابن حبان (2206) رحمہما اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے جبکہ حافظ نووی رحمہ اللہ (خلاصۃ الاحکام: 2517) نے اس کی سند کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔

بوصیری لکھتے ہیں: إِسْنَادُهٗ صَحِيحٌ، رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ .

''اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

(مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه للبوصيري :122/1)

صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز ائمہ دین کی نظر میں

① امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ، امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ (م : 196ھ) سے نقل کرتے ہیں: يَدْخُلُ فِي الصَّفِّ، أَوْ يُخْرِجُ إِلَيْهِ رَجُلًا مِّنَ الصَّفِّ، فَيَقُومُ مَعَهٗ .

''وہ (صف کے پیچھے اکیلا رہنے والا اگر جگہ ہو تو) صف میں داخل ہو جائے ورنہ صف سے ایک آدمی کو نکال لے اور (پچھلی صف میں) اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔''

(مسند علي بن الجعد : 112، وسندهٗ صحيحٌ)

② حماد بن ابی سلیمان تابعی (م :120ھ) کہتے ہیں: يُعِيدُ الصَّلَاةَ .

''ایسا شخص نماز دوبارہ پڑھے۔'' (أيضًا : 113، وسندهٗ صحيحٌ)

③،④ امام احمد بن حنبل (م:241ھ) اور امام اسحاق بن راہویہ (م:238ھ) رحمہما اللہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز نہیں ہوتی بلکہ اسے نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔" (جامع الترمذي، تحت الحديث : 230، وسندهٗ صحيحٌ)

⑤ امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ (م:197ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ، فَإِنَّهٗ يُعِيدُ .

"جب کوئی آدمی صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے تو وہ نماز نئے سرے سے پڑھے۔"

(أيضًا، تحت الحديث :231، وسندهٗ صحيحٌ)

⑥ امام ابن منذر رحمہ اللہ (م : 218ھ) فرماتے ہیں : صَلاَةُ الْفَرْدِ خَلْفَ الصَّفِّ بَاطِلٌ، لِثُبُوتِ خَبَرِ وَابِصَةَ وَخَبَرِ عَلِيِّ بْنِ الْجَعْدِ بْنِ شَيْبَانَ .

"صف کے پیچھے اکیلے کی نماز فاسد ہے کیونکہ اس بارے میں سیدنا وابصہ اور سیدنا علی بن جعد بن شیبان کی بیان کردہ احادیث پایۂ صحت کو پہنچ چکی ہیں۔"

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف لابن المنذر : 184/4)

⑦ امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی رحمہ اللہ (181-255ھ) سیدنا وابصہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: أَقُولُ بِهٖ .

"میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔" (مسند الدارمي : 816/2، ح : 1323)

⑧ امام ابن حزم رحمہ اللہ (م:456ھ) اس بارے بحث کے بعد فرماتے ہیں:

فَبَطَلَ أَنْ يَّكُونَ لِمَنْ أَجَازَ صَلَاةَ الْمُنْفَرِدِ خَلْفَ الصَّفِّ، وَصَلَاةَ مَنْ لَّمْ يُقِمِ الصُّفُوفَ، حُجَّةٌ أَصْلًا، لَا مِنْ قُرْآنٍ وَّلَا مِنْ سُنَّةٍ وَّلَا إِجْمَاعٍ، وَبِقَوْلِنَا يَقُولُ السَّلَفُ الطَّيِّبُ . "اس بحث سے ثابت ہو گیا ہے کہ جو شخص صف کے پیچھے اکیلے آدمی اور صف کو قائم نہ رکھنے والے کی نماز کو درست قرار دیتا ہے، اس

کے پاس قرآن وسنت اور اجماع سے بالکل کوئی بھی دلیل نہیں۔''

(المحلّٰی لابن حزم : 4/58، رقم المسئلة : 415)

⑨ امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ (م:311ھ) اس حدیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

بَابُ الزَّجْرِ عَنْ صَلَاةِ الْمَأْمُومِ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ .

''صف کے پیچھے اکیلے آدمی کو نماز پڑھنے سے منع کرنے کا بیان۔''

نیز فرماتے ہیں: إِنَّ صَلَاتَهُ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ غَيْرُ جَائِزَةٍ، يَجِبُ عَلَيْهِ اسْتِقْبَالُهَا . ''یقیناً صف کے پیچھے اکیلے آدمی کے لیے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ اس پر فرض ہے کہ وہ اسے دوبارہ ادا کرے۔''(صحيح ابن خزيمة : 3/30)

مجوزین کے مزعومہ دلائل کا منصفانہ تجزیہ

مذکورہ دلائل کے برعکس بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز ہو جاتی ہے لیکن جیسا کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا کلام پیش کیا جا چکا ہے، کتاب وسنت یا اجماعِ امت میں سے کوئی بھی دلیل ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ اپنے باطل مذہب کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل وہ پیش کرتے ہیں، ان کا منصفانہ تجزیہ پیش خدمت ہے:

دلیل نمبر ① : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا . ''میں اور ایک لڑکے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں اپنے گھر میں نماز ادا کی۔ میری والدہ ام سلیم (رضی اللہ عنہا) ہمارے پیچھے (کھڑی نماز ادا کر رہی) تھیں۔''

(صحيح البخاري : 727، صحيح مسلم : 658)

تجزیہ : اس حدیث سے صف کے پیچھے اکیلے کھڑے مرد کی نماز کا جواز

ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ اجازت عورت کے ساتھ خاص ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب ملاحظہ ہو، وہ فرماتے ہیں: بَابٌ : الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُونُ صَفًّا . ''اس بات کا بیان کہ عورت اکیلی بھی ہو تو صف شمار ہوتی ہے۔''

اگر مرد بھی اکیلا صف شمار ہوسکتا ہے تو اس تبویب کا کیا مطلب ہوا؟ نیز مرد و عورت دونوں پر نماز باجماعت کے لیے امام کے پیچھے صف بنانا ضروری ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «سَوُّوا صُفُوفَكُمْ، فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ»

''صفوں کو درست کرو کیونکہ صفوں کی درستی نماز کے قیام کا حصہ ہے۔''

(صحيح البخاري : 723، صحيح مسلم : 433)

اب اکیلی عورت کا صف ہونا تو آپ ﷺ کے صحیح فرمان کی وجہ سے جائز ہو گیا جبکہ اکیلے مرد کی صف نہ ہونے پر خود رسول اللہ ﷺ کے فرامین واضح ہیں۔ لہٰذا اکیلے مرد کی صف کے جواز پر کوئی دلیل نہیں۔ یوں اس حدیث سے مرد کے لیے اجازت ثابت نہیں ہوتی۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں: فَقَالُوا : إِذَا جَازَ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَقُومَ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهَا، جَازَ صَلَاةُ الْمُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ، وَهٰذَا الِاحْتِجَاجُ عِنْدِي غَلَطٌ، لِأَنَّ سُنَّةَ الْمَرْأَةِ أَنْ تَقُومَ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهَا إِذَا لَمْ تَكُنْ مَّعَهَا امْرَأَةٌ أُخْرٰى، وَغَيْرُ جَائِزٍ لَّهَا أَنْ تَقُومَ بِحِذَاءِ الْإِمَامِ وَلَا فِي الصَّفِّ مَعَ الرِّجَالِ، وَالْمَأْمُومُ مِنَ الرِّجَالِ إِنْ كَانَ وَاحِدًا، فَسُنَّتُهُ أَنْ يَّقُومَ عَنْ يَّمِينِ إِمَامِهِ، وَإِنْ كَانُوا جَمَاعَةً قَامُوا فِي صَفٍّ خَلْفَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَكْمُلَ الصَّفُّ الْأَوَّلُ، وَلَمْ يَجُزْ لِلرَّجُلِ أَنْ يَقُومَ خَلْفَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومُ وَاحِدٌ، وَلَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ هٰذَا الْفِعْلَ لَوْ فَعَلَهُ فَاعِلٌ، فَقَامَ خَلْفَ

إِمَامٍ، وَمَأْمُومٌ قَدْ قَامَ عَنْ يَّمِينِهِ، خِلَافُ سُنَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا والی روایت کو اپنی دلیل بنانے والوں کو کہنا ہے کہ جب عورت کے لیے صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونا جائز ہے تو مرد کے لیے بھی ایسا جائز ہے۔لیکن یہ بات میرے نزدیک غلط ہے کیونکہ عورت کے لیے طریقہ کار یہ ہے کہ جب وہ اکیلی ہو تو صف کے پیچھے کھڑی ہو، اس کا امام کے برابر کھڑا ہونا ممنوع ہے، اسی طرح وہ مَردوں کی صف میں بھی کھڑی نہیں ہوسکتی، جبکہ مرد مقتدی جب اکیلا ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا اور اگر مقتدی ایک سے زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے صف میں کھڑے ہوں گے، حتی کہ پہلی صف مکمل ہو جائے۔اکیلا مقتدی ہو تو اس کے لیے امام کے پیچھے کھڑا ہونا جائز نہیں۔اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اگر امام کے دائیں جانب مقتدی کھڑا ہو تو بعد میں آنے والے کا پچھلی صف میں اکیلے کھڑا ہونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔''

(صحيح ابن خزيمة : 3/ 30)

امام ابن حزم رحمہ اللہ (384-456ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

وَهٰذَا لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيهِ، لِأَنَّ هٰذَا حُكْمَ النِّسَاءِ خَلْفَ الرِّجَالِ، وَإِلَّا فَعَلَيْهِنَّ مِنْ إِقَامَةِ الصُّفُوفِ إِذَا كَثُرْنَ مَا عَلَى الرِّجَالِ لِعُمُومِ الْأَمْرِ بِذٰلِكَ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُتْرَكَ حَدِيثُ مُصَلَّى الْمَرْأَةِ الْمَذْكُورَةِ لِحَدِيثِ وَابِصَةَ، وَلَا حَدِيثُ وَابِصَةَ لِحَدِيثِ مُصَلَّى الْمَرْأَةِ. ''اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس میں تو مَردوں کے پیچھے (اکیلی) عورتوں کا خاص حکم بیان ہوا ہے، ورنہ جب وہ زیادہ ہوں تو عام حکم کی بنا پر ان کے لیے بھی صفوں کا قیام فرض ہوگا۔یہ کسی طرح بھی جائز نہیں کہ عورت کی نماز کے بارے میں مذکورہ حدیث کی وجہ سے سیدنا وابصہ کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے یا حدیثِ وابصہ کی بنا پر عورت کی نماز والی حدیث کو چھوڑ

دیا جائے۔''(المحلّٰی لابن حزم : 57/4)

معلوم ہوا کہ اس حدیث سے صف کے پیچھے اکیلے مرد کی نماز کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

دلیل نمبر ۲ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

فَقَامَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ عَنْ يَّسَارِهٖ، فَتَنَاوَلَنِي مِنْ خَلْفِ ظَهْرِهٖ، فَجَعَلَنِي عَلٰى يَمِينِهٖ . ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوئے، میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوا تو آپ نے مجھے میرے پیچھے سے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کر دیا۔''(صحيح البخاري : 726، صحيح مسلم : 763)

اسی طرح سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ منقول ہے۔(صحيح مسلم : 3010)

محل استشہاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں صحابہ کو پکڑ کر اپنے پیچھے سے دائیں جانب لانا ہے اور وجہِ استشہاد یہ ہے کہ جب دونوں صحابہ کو پیچھے لایا گیا تو وہ ''خلف الصّف'' یعنی صف کے پیچھے ہو گئے تھے۔ ان کی نماز ایسا کرنے سے باطل نہیں ہوئی، لہٰذا صف کے پیچھے اکیلے مرد کی نماز جائز ہے۔

تجزیہ : اس حدیث سے صف کے پیچھے اکیلے مَرد کی نماز کے جائز ہونے کا استدلال درست نہیں کیونکہ سیدنا ابن عباس اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہم نے صف کے پیچھے نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف ایک مجبوری کی بنا پر جگہ تبدیل کی ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان دونوں صحابہ نے صف کے پیچھے سے اپنی جگہ تبدیل کرتے ہوئے نماز کا کچھ حصہ ادا کیا تھا تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک مَرد اپنی پوری نماز ہی صف کے پیچھے اکیلا ادا کر لے بلکہ زیادہ سے زیادہ مجبوری کی بنا پر جگہ تبدیل کرتے ہوئے ایسا کرنا جائز ہو گا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صف کے پیچھے اکیلے مَرد کی نماز کو عمومی طور پر کالعدم قرار دیا ہے، اس سے یہ جگہ تبدیل کرنے کی مجبوری والی صورت خاص دلیل کی بنا پر خارج ہو جائے گی۔ صف میں

نماز پڑھنے والے شخص کو صف تبدیل کرتے ہوئے اپنی صف کے پیچھے ہونے والی نماز دہرانی نہیں پڑے گی جبکہ باہر سے آکر جماعت کے ساتھ ملنے والا شخص اگر صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے گا تو اسے ہماری ذکر کردہ پہلی دلیل کی بنا پر نماز دہرانی پڑے گی کیونکہ فرمانِ رسول یہی ہے۔ یوں سب احادیث پر عمل ہو جائے گا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهٰذَا لَا حُجَّةَ فِيهِ لَهُمْ، لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ ضَرْبُ السُّنَنِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ، وَهٰذَا تَلَاعُبٌ بِالدِّينِ، وَلَيْتَ شِعْرِي مَا الْفَرْقُ بَيْنَ مَنْ تَرَكَ حَدِيثَ جَابِرٍ وَّابْنِ عَبَّاسٍ لِحَدِيثِ وَابِصَةَ وَعَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ، وَبَيْنَ مَنْ تَرَكَ حَدِيثَ وَابِصَةَ وَعَلِيٍّ لِّحَدِيثِ جَابِرٍ وَّابْنِ عَبَّاسٍ، وَهَلْ هٰذَا كُلُّهُ إِلَّا بَاطِلٌ بَحْتٌ، وَتَحَكُّمٌ بِلَا بُرْهَانٍ، بَلِ الْحَقُّ فِي ذٰلِكَ الْأَخْذُ بِكُلِّ ذٰلِكَ، فَكُلُّهُ حَقٌّ، وَلَا يَحِلُّ خِلَافُهُ.

''اس حدیث میں ان کے لیے کے لیے کوئی دلیل نہیں کیونکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ احادیث کی ایک دوسرے سے ٹکر دینا جائز ہیں۔ یہ تو دین کے ساتھ مذاق اور تمسخر ہے۔ وابصہ اور علی بن شیبان رضی اللہ عنہما کی روایت کو بنیاد بنا کر جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت کو چھوڑ دینے والے اور جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت کو بنیاد بنا کر وابصہ و علی بن شیبان رضی اللہ عنہما کی روایت کو چھوڑ دینے والے اس کام میں برابر ہیں۔ یہ سب صورتیں بالکل باطل ہیں اور بلا دلیل فتوے ہیں۔اس سلسلے میں حق یہ ہے کہ ساری احادیث پر عمل کیا جائے، یہ ساری حق ہیں، ان کی مخالفت جائز نہیں۔'' (المحلّٰی لابن حزم: 57/4)

نیز لکھتے ہیں: وَمَا سُمِّيَ قَطُّ الْمُدَارُ عَنْ شِمَالٍ إِلٰى يَمِينٍ مُصَلِّيًا وَّحْدَهٗ خَلْفَ الصَّفِّ. ''بائیں سے دائیں جانب گھمائے جانے والے شخص کو

کبھی بھی صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کا نام نہیں دیا گیا۔''(أیضًا)

دلیل نمبر ③ : سیدنا ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

إِنَّهُ انْتَهٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ . ''وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ رکوع کی حالت میں تھے۔ انہوں نے صف کے ساتھ ملنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا (پھر چلتے چلتے صف میں مل گئے)، پھر اس بات کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تمہاری کی حرص کو مزید بڑھائے لیکن آئندہ ایسا مت کرنا۔''(صحيح البخاري : 783)

تجزیہ : اس روایت سے بھی ویسا ہی باطل استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ سابقہ روایت سے کیا گیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ سابقہ روایت کے ذریعے امام کی بائیں جانب سے دائیں جانب آنے والے شخص کو صف کے پیچھے نماز پڑھنے والا ثابت کرنے کی سعی کی گئی تھی اور اس روایت کے ذریعے رکوع کی حالت میں چل کر آنے والے شخص کو صف کے پیچھے نماز پڑھنے والا باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ بالکل واضح بات ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع کی حالت میں دیکھ کر فوراً تعمیل کے جذبے کے تحت پچھلی صف سے ہی رکوع کی ہیئت میں منتقل ہو گئے اور پھر چل کر اگلی صف میں شامل ہو گئے، یعنی ان کا یہ چلنا صف میں شامل ہونے کے لیے تھا، نہ کہ اکیلے نماز پڑھنے کے لیے۔

اگر اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف کے پیچھے اکیلے نماز ادا کی تھی تو پھر بھی اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آئندہ کے لیے اس کام سے منع بھی فرما دیا تھا، یعنی اب بقولِ رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم صف کے پیچھے اکیلے نماز

پڑھنا ممنوع ہے۔

امام ابنِ حزم رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں : وَهٰذَا الْخَبَرُ حُجَّةٌ عَلَيْهِمْ لَنَا .... فَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ الرُّكُوعَ دُونَ الصَّفِّ، ثُمَّ دُخُولُ الصَّفِّ كَذٰلِكَ لَا يَحِلُّ . ''یہ حدیث تو ان لوگوں کے خلاف ہماری ہی دلیل بنتی ہے۔۔۔۔۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ صف کے پیچھے رکوع کر کے صف میں شامل ہونا بھی جائز نہیں (چہ جائیکہ ایک دو رکعات یا پوری نماز ادا کرنا)۔''

(المحلّٰی لابن حزم : 58,57/4)

اب رہا یہ اعتراض کہ اگر یہ کام جائز نہ تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو وہ رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم کیوں نہیں دیا جس میں انہوں نے رکوع صف کے پیچھے ہی کر لیا تھا؟ تو معترض پہلے یہ ثابت کرے کہ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے وہ رکعت اٹھ کر نہیں پڑھی تھی۔ عدمِ ذکر، عدمِ وجود کی دلیل نہیں ہوتا۔ ہماری ذکر کردہ پہلی دلیل میں صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نماز دوہرانے کا صریح حکم ثابت ہے۔ صریح کو چھوڑ کر مبہم کو دلیل بنانا انصاف نہیں۔

صحابہ وتابعین سے منسوب غیر ثابت اقوال

صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز کو جائز قرار دینے والے لوگ صحابہ وتابعین کی طرف منسوب بعض غیر ثابت فتوے بھی ذکر کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں :

❁ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا : وہ نماز نہ دوہرائے۔(مصنف ابن أبي شيبة : 12/2)

لیکن اس روایت کی سند کئی وجہ سے سخت ''ضعیف'' ہے :

① ابومعاویہ محمد بن خازم ضریر راوی ''مدلس'' ہے۔ سماع کی تصریح ثابت نہیں۔

② جویبر بن سعید ازدی راوی سخت ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔

③ ضحاک بن مزاحم کا سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

❁ امام حسن بصری تابعی رحمہ اللہ سے یہ فتویٰ منسوب ہے :

''ایسے شخص کی نماز ہو جائے گی۔'' (مصنف ابن أبي شيبة : 193/2)

لیکن اس کی سند بھی سخت ''ضعیف'' ہے کیونکہ :

① حفص بن غیاث ''مدلس'' ہے۔

② اشعث بن سوار نامی راوی ''ضعیف'' ہے۔

③ اگر عمرو سے مراد عمرو بن عبید ہے تو وہ ''متروک'' راوی ہے۔

❁ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں اسی طرح کی ایک اور راویت بھی ہے۔ (أيضاً)

لیکن اس کی سند بھی یونس بن عبید کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

معلوم ہوا کہ صف کے پیچھے اکیلے مَرد کی نماز کے جائز ہونے کے بارے میں صحابہ و تابعین سے کچھ ثابت نہیں۔

رہی امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کی بات کہ ایسے شخص کی نماز ہو جاتی ہے تو ان کی دلیل وہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جس کے مطابق ان کی والدہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے صف کے پیچھے اکیلے نماز ادا کی تھی۔ مجوزین کی پہلی دلیل چونکہ یہی تھی لہٰذا اس بارے میں مکمل بحث اسی کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اس حدیث سے خاص عورت کے لیے صف کے پیچھے اکیلے نماز کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس سے مَردوں کے لیے صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کا جواز نکالنا درست نہیں۔

اگر پہلی صف مکمل ہو تو؟

سیدنا وابصہ بن معبد اور سیدنا علی بن شیبان رضی اللہ عنہما کی حدیث بہت واضح ہے کہ صف

کے پیچھے کسی بھی اکیلے نمازی کی کوئی بھی نماز نہیں ہوتی اور اگر کوئی ایسا کر لے تو اس کے لیے اپنی اس طرح پڑھی ہوئی نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔بعض لوگ بغیر دلیل کے ان عام احادیث کو خاص کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر پہلی صف میں جگہ نہ ہوتو پھر صف کے پیچھے اکیلے کی نماز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہی تو بعض لوگ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز قبول نہ ہونے والی عام حدیث سے مقتدی اور مدرک رکوع کو بغیر دلیل مستثنیٰ کر لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب حدیث میں عموم ہے تو ایک خاص صورت کو بغیر دلیل کے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا۔

صف کے پیچھے اکیلا آنے والا کیا کرے؟

اگر کوئی شخص نمازِ باجماعت کے لیے مسجد میں آئے اور صف مکمل ہو چکی ہو، صف کے پیچھے وہ اکیلا ہی ہو تو اس کے لیے دو صورتیں ہیں:

① وہ اگلی صف سے ایک آدمی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے۔ اس کی دلیل سیدنا جابر رضی اللہ عنہ والی یہ حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ہی میں مجھے ہاتھ سے پکڑا اور پیچھے سے گھماتے ہوئے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد سیدنا جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو ہاتھوں سے پکڑ کر پچھلی صف میں کر دیا۔(صحيح مسلم : 3010)

ائمہ دین بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ، امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ (م: 196ھ) سے نقل کرتے ہیں:

يَدْخُلُ فِي الصَّفِّ، أَوْ يُخْرِجُ إِلَيْهِ رَجُلًا مِّنَ الصَّفِّ، فَيَقُومُ مَعَهُ.

''وہ (صف کے پیچھے اکیلا رہنے والا اگر جگہ ہو تو اگلی) صف میں داخل ہو جائے، ورنہ صف سے ایک آدمی کو نکال لے اور (پچھلی صف میں) اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔''

(مسند علي بن الجعد : 112، وسندهٔ صحيحٌ)

اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ پیچھے آنے والے اکیلے شخص کے لیے نئی صف بنانے کی خاطر اگلی صف سے آدمی کو پیچھے کیا جا سکتا ہے اور ایک صف بنانے کے لیے اتنی حرکت بھی جائز ہے۔ اگر کوئی شخص پہلی صف سے آدمی کھینچنے کے عمل کو صف توڑنا شمار کرے اور صف توڑنے کی وعیدیں اس پر منطبق کرتے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے کیونکہ کسی عذر کی بنا پر کسی شخص کا صف سے نکلنا صف توڑنے میں شمار نہیں ہوتا، مثلاً اگر کوئی شخص نماز میں بے وضو ہو جائے تو بھلا وہ صف سے نکل کر نہیں جائے گا؟ اگر جائے گا اور یقیناً جائے گا تو کیا اس کا یہ عمل صف توڑنا شمار ہوگا؟ اور کیا اس طرح پہلی صف ناقص ہو جائے گی؟ قطعاً نہیں۔ لہٰذا بعض لوگوں کا اس موقف کے خلاف یہ حدیث پیش کرنا درست نہیں کہ:

«مَنْ وَّصَلَ صَفًّا، وَصَلَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا، قَطَعَهُ اللّٰهُ»

''جو شخص صف کو ملاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے ساتھ ملاتا ہے اور جو صف کو توڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دُور کر دیتا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد: 5724، سنن أبي داوٗد: 666، وسندهٗ صحيحٌ)

کیونکہ اس حدیث کا تعلق بغیر عذر کے صف کو خراب کرنے والے شخص سے ہے، صحیح احادیث کی روشنی میں اگلی صف سے ایک آدمی کھینچ کر صف بنانے والے شخص سے نہیں۔

④ اگر پیچھے آنے والا شخص کسی بنا پر اگلی صف سے کسی نمازی کو کھینچنا نہیں چاہتا یا کسی وجہ سے کھینچ نہیں پاتا تو وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک کوئی مزید نمازی نہ آ جائے۔ اگر اسی انتظار میں جماعت نکل جانے کا خطرہ ہو تو صف کے پیچھے اکیلا نماز نہ پڑھے کیونکہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا بہرحال جائز نہیں کیونکہ انتظار کرتے رہنے سے تو ایک مجبوری کی بنا پر صرف جماعت ضائع ہوگی لیکن اگر اس نے صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھ لی تو سرے سے نماز ہی ضائع ہو جائے گی۔ ایسے شخص کے لیے نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا۔